رسالہ احمدی نمبر ۱۱-۱۲ بابت سنہ ۱۹۱۹ء

التنقید

یعنے رسالہ

الخبر الصحیح عن قبر المسیح ؑ

پر

نقادانہ نظر

از رشحات قلم جامع المعقول والمنقول ابوالبرکات مولوی غلام رسول صاحب آف راجیکی ؓ اس رسالہ میں مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے رسالہ الخبر الصحیح عن قبر المسیح پر نہایت محققانہ مدلل اور مفصل تنقید کرکے سیالکوٹی مولوی کے تمام دلائل مندرجہ رسالہ مذکور کا ناقابل تردید جواب دیا گیا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ۔

خادم سلسلہ خاکسار قاسم علی ایڈیٹر فاروق نے بماہ اپریل سنہ ۱۹۲۲ء اپنے فاروق پریس قادیان میں باہتمام خود چھپوا کر فاروق منزل سے

(شایع کیا)

رسالہ احمدی سنہ ۱۹۱۹ء

الحمد للہ کہ رسالہ احمدی سنہ ۱۹۱۹ء کی جلد اس رسالہ کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اس سے قبل کے مندرجہ ذیل زبردست نمبر قابل دید ہیں۔ جو صاحب مکمل جلد رسالہ احمدی کی بابت سنہ ۱۹۱۹ء خریدنا چاہیں وہ سب نمبر طلب کریں۔

بلعم ثانی جسمیں ڈاکٹر عبد الحکیم مرتد پٹیالوی کی پیشگوئیوں کا قابل دید جواب ہے جس کو خاکسار ایڈیٹر فاروق نے لکھا ہے۔ ۴ر

بحر حقیقت مونگیری معاندانہ سلسلہ کے ایک رسالہ کا اسمیں جواب دیا گیا ہے جسکو اخویم سید محفوظ الحق صاحب علمی مولوی فاضل احمدی نے رقم فرمایا ہے۔ قیمت ۴ر

النبوۃ فی الاحادیث احادیث سے نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ثبوت اور مخالفین منکرین نبوت کے جملہ اعتراضات کا جواب مکمل جس کو مکرمی قاضی محمد یوسف صاحب سکرٹری انجمن احمدیہ پشاور نے تالیف فرمایا۔ قیمت ۶ر

النبوت فی الالہام اس رسالہ میں پیغام پارٹی لاہور کا ناقابل تردید جواب ہے۔ اور وحی آسمانی منزلہ برمسیح قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت اقدس کے نبی ہونے کا ثبوت دے کر پیغامی اعتراضات کی لاجواب تردید کی گئی ہے۔

از تالیفات مخدومی قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری۔ ۶ر

:- محصولڈاک بذمہ خریدار :-

مینجر فاروق بک ایجنسی فاروق منزل قادیان

کل ۴ جنوری ۱۹۲۲ء کو میرے مکرم دوست جناب ایڈیٹر صاحب اخبار فاروق مجھے ملے اور انہوں نے رسالہ "الخبر الصحیح عن قبر المسیح" مصنفہ مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے جواب کے متعلق ارشاد فرمایا۔ اور آج صبح کو بغرض جواب رسالہ مذکورہ مجھے بھجوادیا۔ گو بوجہ علالت و ناسازیٔ طبع مجھے معذوری تھی لیکن بغرض ثواب و افادۂ طلاب مینے اس موقع کو غنیمت سمجھکر اس کار ثواب سے پہلوتہی کرنا نامناسب سمجھا۔

مسیحی چھکڑے کا بیل

مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی جو اپنے خواب کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی سواری والے چھکڑے کے بیل ہیں باوجودیکہ آج ایک دنیا جہان نے اس امر کو تسلیم کرلیا کہ حضرت مسیح اسرائیلی دوسرے انسانوں کیطرح فوت ہو چکے اور خاص تو خاص عوام سے بھی اکثر لوگ باوجود موٹی عقل اور سطحی خیال کے حضرت مسیح کی حیات کے مسئلہ کو غلط اور سراسر خلاف حقیقت سمجھنے لگ گئے۔ مگر آپ ہیں کہ برابر اس خواب والے چھکڑے کے کھینچنے کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اور دنیا جہان کی

مخالفت میں خلاف قرآن وحدیث اور خلاف عقل سلیم ونقل صحیح حضرت مسیح کی حیات کے اثبات کے لئے عیسائیوں سے بھی بڑھ کر زور مار رہے ہیں۔ اور طرفہ تر یہ کہ آج یورپ اور ممالک مغربیہ کے عیسائیوں نے بھی اس امر کو تسلیم کر لیا کہ مسیح فوت شدہ ہیں اور یہ کہ ان کا دوبارہ آنیکا مسئلہ امر موہوم یا تاویل طلب ہے اور بس۔ لیکن مولوی ابراہیم صاحب ہیں کہ محمدی کہلاکر ایک عیسائی سے بھی بڑھ کر عیسےٰ پرستی کی تائید میں سرگرمی اور جوش دکھلا رہے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے پچھلے دنوں اپنے ایک عزیز دوست کی لڑکی کے عیسائی ہونے کے متعلق دیکھ لیا کہ اس زمانہ میں حیات مسیح کا مسئلہ اسلام اور اہل اسلام کیلئے کسقدر خطرناک اور مضر ہے۔ افسوس کہ مولویصاحب حیات مسیح کے تلخ اور زہریلے درخت کا پھل اور اُس کا مزہ چکھکر بھی اپنی صریح غلطی سے باز نہیں آتے۔ اور جس ہلاکت کے گڑھے میں خود گر رہے ہیں دوسروں کو بھی دھکیلنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ حضرت مسیح محمدی کے قدوم میمنت لزوم سے پہلے پہلے حیات مسیح کا اعتقاد اجتہادی غلطی کی بنا پر بیشک موجب معذوری تھا لیکن اب جبکہ ہزارہا بینات اور دلائل قاہرہ اور شواہد متظاہرہ سے یہ امر علی الوجہ الاتم بپایہ ثبوت پہنچگیا کہ حیات مسیح کا مسئلہ ایک غلط مسئلہ اور بے حقیقت فسانہ ہے تو اب اس انکشاف حقیقت کے بعد بھی وہی بے سر اراگ الاپتے رہنا کونسی دانشمندی ہے۔ شاید مولویصاحب کو یہ وہم ہو کہ اگر میں حیات مسیح کے عقیدہ سے تائب ہو کر وفات مسیح کا قائل ہوگیا تو لوگ مجھے خواب کے غلط ہونیکا الزام دینگے سو یہ وہم سراسر لچر ہے۔ اور غلط عقیدہ پر جمے رہنا اور باوجود علم صحیح کے میسر آنیکے پھر غلط اعتقاد کو ترک نہ کرنا اور محض اسلئے کہ لکیر کے فقیر اور رسم پرست لوگ طعن وتشنیع کا نشانہ بنائینگے۔ غلط عقیدہ سے باز نہ آنا یہ مردی نہیں بلکہ نامردی اور بُزدلی ہے۔ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی تو اسی کا نام ہے کہ صحیح اعتقاد کے حاصل کرنیمیں جان ومال اور عزت وآبرو وغیرہ کسی چیز کی بھی پرواہ نہ کیجائے۔ پھر بدیوں اور بداعتقادیوں سے توبہ کرنا شریعت اسلام میں کوئی مذموم امر نہیں بلکہ ایسے امر کو نہایت مستحسن اور رجس ذنوب کی تطہیر کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب له کے ارشاد کی حث وتحضیض انہی معنوں کی تصدیق میں وارد ہے

مولوی صاحب نے حیات مسیح کے اثبات کی غرض سے کئی ایک رسالے بھی شایع کئے جن کا جواب سلسلہ احمدیہ کیطرف سے شافی کافی طور پر دیا گیا اسی سلسلہ میں آپ کا ایک رسالہ الخبر الصحیح عن قبر المسیح نام شائع ہوا جسمیں آپ نے سیدنا مسیح موعود حضرت احمد قادیانی کی ان محققانہ تحریروں کی تردید کیلئے کوشش کی ہے جنمیں حضرت ممدوح نے یہ ثابت کیا ہے کہ سری نگر کشمیر کے محلہ خان یار میں جو قبر یوز آسف اور شاہزادہ نبی اور عیسےٰ صاحب کی قبر کے نام سے مشہور ہے وہ درحقیقت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قبر ہے جو اسرائیلی نبی اور حضرت مریم بتول کے فرزند تھے۔

مولوی صاحب نے اپنے رسالہ میں جن باتوں کو تردیداً اور تغلیطاً تحریر کیا ہے گو وہ اس قابل نہ تھیں کہ ان کا جواب لکھا جاتا اسلئے کہ معمولی علم اور فہم کا انسان بھی ان باتوں کی سخافت اور رکاکت کو مع ان مغالطوں کے جو علمی سقموں اور نقصوں سے لبریز ہیں بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن چونکہ مولوی صاحب کو اپنی غلط فہمی کیوجہ سے ہمیشہ یہ مغالطہ لگا رہتا ہے کہ جو کچھ انکے قلم سے نکلتا ہے وہ لاجواب اور ناقابل تردید اور زبردست دلائل کی بنا پر رقم پذیر ہوتا ہے۔ اسلئے ان کے اس بیجا ناز کو توڑنے کی غرض سے جواباً کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ سو ذیل میں بحولہ و قوتہ تعالےٰ ان کے رسالہ کا جواب تحریر کیا جاتا ہے تا مولویصاحب اور ان کے دیگر ہم مشربوں سے فائدہ اُٹھانیکے خواہشمند اور طالب اگر خدا چاہے تو فائدہ اوٹھا سکیں۔ وباللہ التوفیق وما توفیقی الا باللہ۔

خطبۂ کتاب کے متعلق کچھ { مولویصاحب نے خطبۂ کتاب میں جو بطور تمہید رسالہ تحریر کیا ہے قریباً تیس دجاجلہ کے خروج کا ذکر بھی آنحضرتؐ کی حدیث کے اقتباس میں کیا ہے اور ایسا ہی نزول عیسےٰ ابن مریم من السماء الی الارض کا ذکر بھی۔ اور ایسا ہی الفاظ فید فن معی فی قبری فاقوم انا و عیسیٰ ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر کو بھی نقل کیا ہے۔ خطبہ کی ان مذکورہ باتوں کا جواب تو بارہا دیا جا چکا ہے لیکن مختصر طور پر یہاں بھی دیا جاتا ہے۔

علماء مخالفین کی یہ عجیب عادت ہے کہ سیدنا حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کے متعلق

جھوٹے تیس دجاجلہ والی حدیث کو پیش کر دیتے ہیں جس سے ان کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ مرزا
صاحب اپنی مدعیانہ حیثیت کے ساتھ ان موعودہ دجاجلہ سے ایک دجّال ہیں اور بس۔
(و نعوذ باللہ من ذلک) حالانکہ یہ لوگ حضرت مسیح موعود سیدنا حضرت احمد قادیانی کی مخالفت
میں خود دجّال ثابت ہو رہے ہیں۔ افسوس کہ یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اگر تیس ۳۰
دجّالوں کے خروج کا وعدہ ہے تو انہی حدیثوں میں آنے والے مسیح موعود کا بھی تو ذکر ہے۔
جیسے صحیح مسلم میں کئی بار نبی اللہ کے لقب سے یاد کیا گیا۔ اور جیسے صحیح بخاری کی حدیث و امامکم
منکم میں امت محمدیہ کے افراد سے قرار دیکر بتایا گیا ہے کہ وہ مسیح محمدی ہوگا نہ مسیح اسرائیلی۔
کیا مسیح محمدی کی جگہ مسیح اسرائیلی قرار دینا اور بعد انکشاف حقیقت و اتمام حجت پھر بھی
اسی بات پر ضد سے قائم رہنا کہ آنیوالا مسیح محمدی نہیں بلکہ مسیح اسرائیلی ہے۔ یہ دجل کچھ کم
دجل ہے اور ایسے دجل والے ان تیس دجّالوں سے کچھ کم دجّال ہیں۔ پھر جب قرآن میں
تیس آیات میں بتایا گیا کہ مسیح اسرائیلی فوت ہو چکا اور حدیثوں میں علاوہ وفات کے ثبوت
کے مسیح کی ایک سو بیس ۱۲۰ سال عمر بھی بتائی گئی تو اب اس زبردست صداقت کے بعد بھی
مسیح کو زندہ سمجھنا اور اُسے آسمان سے اُتارنا اور اُسے مسیح محمدی کی جگہ پر قائم کرنا پھر تیس
کا عدد اپنی تعیین عددی سے سچے مدعیوں کی آمد کا مانع نہیں اور نہ ہی اس سے مزاحمت
لازم آتی ہے۔ کیا تیس کے سوا جتنے بھی مدعی ہونگے وہ بھی ان کے نزدیک دجّال ہی ہونگے۔
پھر المسیح الدجّال جو دجّال اکبر ہے اور جس کے فتنہ کے فرو کرنے کیلئے مسیح موعود تشریف لانے
والے ہیں اُسکے متعلق حدیثوں میں لکھا ہے کہ وہ خدائی کا مدعی ہوگا۔ لیکن تیس دجّالوں
کی نسبت لکھا ہے کہ وہ رسالت اور نبوّت کے مدعی ہونگے۔ اب نبوّت اور رسالت کا
دعویٰ جو دجل کا رنگ اپنے اندر رکھتا ہے وہ ان لوگوں کے ذریعہ ظہور پذیر ہو چکا جنہوں
نے جھوٹی حدیثیں وضع کرکے اپنے اقوال کو آنحضرتؐ کیطرف منسوب کر دیا اور غیر نبی اور غیر
رسول کے اقوال کو ایک بزرگ نبی اور بزرگ رسول کے اقوال قرار دیا۔ کیا ایسے لوگ ایک
طرح سے مدعی نبوّت و رسالت نہیں اور کیا یہ کچھ کم دجل ہے اور کیا ایسے دجل والے دجّال
نہیں کہلا سکتے۔

پس حضرت مسیح موعود سیدنا احمدؑ قادیانی جو قال اللہ اور قال الرسول کی بیّن شہادت اور عقلی اور علمی دلائل کی بنا پر اپنے دعوےٰ کی صداقت کو پیش کر رہے ہیں۔ کیا ایسا شخص دجال یا موعودہ دجاجلہ سے قرار دیا جا سکتا ہے یا اسکے مخالفین اور متمرد دشمن ہی دجال الموعود تیس دجاجلہ سے قرار دیئے جانے کے قابل ہیں۔

پھر مولوی صاحب نے حضرت عیسےٰؑ کی نسبت لفظ نزول من السماء الی الارض لکھکر دھوکا دیا ہے اور دجل سے کام لیا ہے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ نہ قرآن میں مسیح کی نسبت رفع کے لفظ کے ساتھ سماء کا لفظ پایا جاتا ہے اور نہ ہی فقرہ رافعك الیّ اور فقرہ بل رفعہ اللہ الیہ کی ضمیر متکلم اور ضمیر غائب کا مرجع آسمان ہے اور نہ ہی کسی حدیث صحیح میں لفظ نزول کے ساتھ لفظ سماء کا موجود۔ اور جہاں کتاب الاسماء والصفات کا حوالہ بروایت بیہقی امام بخاری کیطرف منسوب کیا جاتا ہے اسکی تغلیط صحیح بخاری کے سب کے سب مطبوعہ نسخوں سے ثابت ہے۔ پس ایسا غلط حوالہ بیہقی کیطرف سے ہو یا کسی اور کیطرف سے وہ امر واقعہ اور حقیقت ثابتہ کے خلاف ہونے سے بجوے نیرزد کا مصداق ہے اور محض لاشئے اور بے حقیقت اور حدیث یدفن معی فی قبری الخ کی حقیقت فقرہ فاقوم انا و عیسےٰ ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر سے واضح ولائح ہے۔ اور وہ اسطرح کہ مولوی ابراہیم صاحب نے بحوالہ کتاب جذب القلوب جو نقشہ چاروں قبروں کا دیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

نقشہ

آنحضرت صلعم

حضرت ابوبکر رضؓ

موضع قبر حضرت عیسےٰ ع

حضرت عمر رضؓ

ان چاروں قبروں سے آنحضرت اور حضرت عیسٰے کی قبر ایک دوسری کے محاذ میں ہے ۔
اور حضرت ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ دونوں کی قبریں ایک دوسری کے محاذ میں۔ اب مقام غور ہے کہ
مولوی ابراہیم صاحب جو حضرت عیسٰے کی قبر کے لئے حدیث پیشکردہ کو بڑے شد و مد کیساتھ
معرض جواب میں لایا کرتے ہیں وہ اپنے مدعا کو بوجوہ ذیل اس حدیث سے بھی ثابت نہ کرسکے۔
(۱) اسلئے کہ مولویصاحب کے نزدیک حضرت عیسٰے کی قبر کی جگہ آنحضرتؐ کی قبر نہیں۔
جس کی نسبت یدفن معی فی قبری اور فی قبر واحد کا فقرۂ حدیث صاف طور پر
دلالت کر رہا ہے کہ قبر ایک ہی ہے جس سے مولویصاحب کی پیشکردہ الگ جگہ میں قبر مسیح کا پایا
جانا الفاظ حدیث کے خلاف ہے۔
(۲) اسلئے کہ آنحضرتؐ یوم الحشر کے لئے اپنے قیام اور مسیحؑ کے قیام کو ایک ہی قبر سے وابستہ
قرار دے رہے ہیں۔ اب مشکل یہ ہے کہ مولویصاحب کی پیشکردہ ترتیب قبور کے لحاظ سے
آنحضرتؐ نیچے کی ہر سہ قبور سے بالکل اوپر کی قبر سے قیام فرمائیں تو ابوبکر اور عمرؓ کے مابین
قیام ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی حضرت عیسٰے کی معیت قبر واحد کے قیام سے صحیح ثابت
ہوتی ہے۔
(۳) اسلئے کہ آنحضرتؐ اور حضرت عیسٰے کی قبر کے درمیان حضرت ابوبکر کی قبر حائل
اور پردہ ہے جس سے فی قبری اور فی قبر واحد کے مفہوم کی تصدیق بظاہر
نہیں ہوسکتی۔
(۴) اسلئے کہ حدیث عائیشہ رضؓ کہ جسمیں آپ کی رؤیا یوں لکھی ہے کہ حضرت عائیشہ رضؓ نے
دیکھا کہ تین چاند آپکے حجرہ میں گرے ہیں۔ اس رؤیا کو حضرت عائیشہ نے حضرت ابوبکر کے سامنے
پیش کیا آپ خاموش رہے۔ پھر جب آنحضرتؐ فوت ہوگئے تو حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ عائیشہ
یہ تیری خواب والے چاندوں سے ایک چاند ہے اور بہترین چاند۔ (دیکھو تلخیص الصحاح
کتاب تعبیر الرؤیا) اور ظاہر ہے کہ حضرت عائیشہ کے حجرہ میں حسب رؤیائے تین چاند یعنی آنحضرتؐ
اور عمرین مدفون ہیں۔ اب اگر حضرت عیسٰے نے بھی وہاں دفن ہونا ہو تا خواہ آنحضرتؐ کی
عین قبر میں خواہ اس مقبرہ میں جہاں تینوں کا مدفن ہے تو بجائے تین کے چار کا نظارہ

دکھایا جاتا پس یہ رویا حدیث فیدفن معی فی قبری کو ظاہر پر حمل کرنے سے مانع ہے۔

(۵) اسلئے کہ جب حضرت عمر قریب الموت ہوئے اور انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بغرض تدفین بحجرہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ کیخدمت میں بھیجا تو آپ نے اس کے جواب میں قلاؤ ثرنہ علے نفسی فرماکر اجازت دی جسکا مطلب صاف ہے کہ یہ جگہ مینے اپنے نفس کیلئے رکھی ہوئی تھی لیکن اب میں اپنے نفس پر عمر کو ترجیح دیتی ہوں۔ اس سے ثابت ہے کہ وہاں صرف تین ہی قبروں کے لئے جگہ تھی۔ ورنہ حضرت عائشہ لفظ ایثار کا استعمال نہ فرماتیں۔

(۶) اسلئے کہ حج الکرامہ میں بنقل ابن خلدون از کندی جو ذکر کیا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام مدینہ میں فوت ہونگے اور حضرت عمرؓ کے پاس دفن کئے جاوینگے۔ یہ اختلاف روایت بھی حقیقت پر حمل کرنے سے مانع ہے۔

(۷) اسلئے کہ بقول مولویصاحب یہ بھی مروی ہے کہ ابوبکر اور عمرؓ دو پیغمبروں کے درمیان سے محشور ہونگے۔ حالانکہ نقشۂ قبور ان معنوں کے خلاف حقیقت کا اظہار کر رہا ہے اور ایسا ہی حدیث مذکور کے خلاف کہ جسمیں دو پیغمبروں کا ابوبکر اور عمر کے درمیان سے محشور ہونا لکھا ہے۔

اب غور فرمایئے کہ وجوہات متذکرہ سے جب کہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح خواہ اسرائیلی ہوں خواہ محمدی فقرۂ حدیث یدفن معی فی قبری فی قبر واحد سے مولوی ابراہیم صاحب کے نقشۂ قبور کے رو سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ الفاظ حدیث کو حقیقت پر حمل کیا جائے۔ نہ نقشہ کے لحاظ سے اور نہ الفاظ کے پیشکردہ معانی کے لحاظ سے کیونکہ نقشہ میں آنحضرت کی قبر کا نقشہ سب قبروں سے اوپر ہے جس سے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان والی بات ثابت نہیں ہوتی۔ اور اگر حضرت عیسٰے کی قبر کو ابوبکرؓ اور عمرؓ کی قبر کے درمیان رکھا جاوے جیسا کہ نقشہ میں دکھایا گیا تو فی قبر واحد اور معی فی قبری کا مفہوم جو اتحاد پر دلالت کرتا ہے اسمیں فرق آتا ہے۔ پھر مولویصاحب بلحاظ معانی الفاظ بھی اتحاد مذکور کے خلاف

ہی تاویل فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ قبری کے فقرہ میں لفظ قبر کو قبر کے معنوں میں نہیں لیتے۔ بلکہ مقبرہ اور قبرستان کے معنوں میں لیتے ہیں۔ اسلئے وہ ان معنوں کے لحاظ سے آنحضرت کی قبر سے الگ دوسری جگہ میں حضرت عیسیٰ کا مدفون ہونا خلاف منشاء حدیث نہیں سمجھتے۔ لیکن تعجب ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص لفظ قبر کو مقبرہ کے معنے میں لے اور دوسرے اسلامی مقبروں سے کسی ایک مقبرہ کو حضرت عیسےٰ کیلئے مدفن قرار دے اور واقعات سے اسکی تصدیق بھی ہو تو مولویصاحب ایسی تاویل کو قبول نہیں کر سکتے۔ حالانکہ تاویل کے لئے طرز استدلال میں صرف وسعت کی کمی بیشی کا فرق ہے ورنہ صورت ایک ہی ہے۔

اور یہ کہنا کہ دوسرے مقبرے چونکہ آنحضرتؐ کے روضہ سے الگ اور دوسری زمینوں میں ہیں اسلئے وہ آنحضرتؐ کے مقبرہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ تو اسکے جواب میں یہ عرض ہے کہ دنیا بھر میں قیامت تک جسقدر بھی اسلامی مقبرے پائے جائینگے وہ بوجہ تابع شریعت وہدایت نبویہ آنحضرتؐ ہی کے مقبرے ہیں۔ اور اس لحاظ سے آنحضرتؐ کے مقبرہ سے باہر نہیں۔ اور پھر اس صورت میں مسیح موعود یا کسی دوسرے مومن کا اسلامی مقبرہ میں خواہ وہ کہیں بھی ہو دفن ہونا آنحضرتؐ کے مقبرہ میں ہی ہوگا۔

دوسرے آنحضرتؐ کا فیدفن معی فی قبری کا ارشاد ان معنوں کے لحاظ سے بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ بوجہ ان علماء کے فتوئے تکفیر کے کہ جنکی نسبت خود آنحضرتؐ ہی نے علماء ھم شر من تحت ادیم السماء فرمایا۔ اور جنکے فتنہ اور شرارت کیوجہ سے امت محمدیہ کے تہتر فرقوں سے بجز ایک فرقہ کے کہ جو مسیح موعودؑ پر ایمان لانیوالا ہوگا بہتر فرقے مسیح موعودؑ کی مخالفت اور کفر و تکفیر کیوجہ سے ناری اور جہنمی بننے والے ہونگے) کافر قرار دیئے جانے تھے۔ اور علماء مکفرین نے انہیں کافر قرار دیکر یہ فتوے صادر کرنا تھا کہ اس مدعی مسیحیت کو اہل اسلام کے مقابر میں دفن نہ ہونے دینا چاہیئے۔ اسلئے آنحضرتؐ نے پہلے سے ہی بطور غیب فرما دیا کہ مسیح موعود کی قبر میری قبر ہے۔ اور اس کا مدفن میرا مدفن اور اسکا دفن ہونا میری معیت میں ہوگا۔ جس سے مسیح موعود کا اعزاز اور آپ کی شان کا اظہار مقصود تھا۔ اور پھر ان کلمات سے مسیح موعود کی شان مظہریت

و ظلیت جو آنحضرت کے بروز کامل ہونیکی وجہ سے آپ کو حاصل ہے اسکی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مظہریت تامہ کاملہ کے لحاظ سے اُسکا وجود میرا ہی وجود ہے اور اس شانِ معیت کے ساتھ اسکی قبر میری ہی قبر ہے۔ اور اسکا دفن ہونا میری ہی قبر میں ہے۔

پھر یہ ارشاد ان معنوں کے لحاظ سے ہی ہے کہ مسیح موعود چونکہ بموجب حدیث کیف تھلك امة انا فی اولھا والمسیح ابن مریم فی اٰخرھا امت محمدیہ کے دو حصوں یا دو جماعتوں میں سے آخری حصے اور آخری جماعت کے لئے مامور اور مصلح قرار دیئے گئے تھے۔ اور اس لحاظ سے خیال ہو سکتا تھا کہ شاید اتنا بڑا مرسل جو آنحضرت کی نیابت میں آپ کا قائمقام ہو کر آنیوالا ہے اور امت محمدیہ کی آخری جماعت کا ہادی اور پیشوا ہوگا۔ اسکا مقبرہ اسلامی مقابر سے جدا صورت میں ہو تو اسکے متعلق آنحضرت کے اس ارشاد میں جواب پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود مجھ سے الگ نہیں ہوگا اور اسکا مقبرہ اسلامی مقبروں سے جو میرے ہی مقبرے ہیں جدا نہیں ہوگا اور جب وہ دفن ہوگا تو اسلامی مدفن اور اسلامی مقبرہ میں جو میرا مقبرہ ہے دفن ہوگا۔

علاوہ اسکے قبر سے مراد برزخی قبر بھی ہے اور برزخی قبر میں مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام آنحضرت کی معیت میں ہی ہیں۔ آنحضرت نے قبر کے متعلق جہاں حفرۃ من النیران فرمایا ہے وہاں مومن کی قبر کے متعلق روضۃ من روضات الجنۃ بھی فرمادیا ہے۔ اور قرآن کریم میں جنت کی وسعت اور پہنائی کے متعلق ارشاد ہے عرضھا السموات والارض اب اس حدیث اور اس آیت کو ملاکر آنحضرت کی قبر کی وسعت اور پہنائی کو ذہن میں لاؤ۔ اور اسکے ساتھ فقرہ حدیث فیدفن معی فی قبری کو حل کرلو۔ اس صورت میں قبر کے لفظ کو مقبرہ اور قبرستان کے معنوں میں لینے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔ بلکہ قبر کو قبر ہی کے معنے میں لیا جاوے گا۔ اور اس برزخی قبر کے تسلیم کرنے سے فقرہ حدیث فاقوم انا وعیسی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر بھی حل ہو جاتا ہے اور بدیں صورت آنحضرت اور مسیح موعود کا ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان سے قیام فرمانے میں بھی کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ پھر اس صورت میں عبداللہ بن سلام والی روایت اور ایسا ہی دیگر روایات کہ جنمیں یدفن

معہ یا یدفن مع النبی وغیرہ الفاظ مروی ہیں حل ہو جاتی ہیں۔ ہاں جن لوگوں نے مولوی ابراہیم صاحب کیطرح قبر سے مُراد ظاہری قبر لی ہے۔ انہوں نے ظاہر پر نظر کر کے اپنے خیال اور عندیہ کے مطابق کہیں یدفن مع النبی فی حجرتہ کہکر حجرہ کا لفظ بڑھا دیا اور کہیں فیکون قبرہ رابعاً کہکر رابع کے لفظ سے حضرت مسیح کی قبر کو چوتھی قبر قرار دیا۔ اور کہیں یدفن بالحجرۃ النبویۃ کا فقرہ بول کر اسمیں حجرہ نبویہ کا لفظ داخل کر دیا۔ اور کہیں ابو مودود کیطرح فقرہ وقد بقی فی البیت موضع قبر سے ایک قبر کی جگہ کے باقی رہنے کا ذکر بھی کر دیا۔ ان سب روایات مذکرہ کو مولویصاحب نے اپنے رسالہ میں تحریر کیا ہے جبکی تردید کے لئے حضرت عائیشہ رض کی رؤیا اور حضرت عمر رض کی اجازت طلبی کے جواب میں حضرت عائیشہ کا فلاؤ ثرنہ علی نفسی کا فقرہ فرمانا جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر فرمایا کافی ہے۔ علاوہ اسکے توجیہات مذکرہ بالا کہ جنہیں اوپر نمبر دار لکھکر دکھایا اور ایساہی مولویصاحب کے پیشکردہ نقشہ قبور کے مطابق آنحضرت کا معیت عیسیٰ ابو بکر اور عمر رض کے درمیان دفن اور آپ کے قیام حشر کا ثبوت متحقق نہ ہونا اور ایساہی نقشہ قبور میں آنحضرت اور حضرت ابو بکر رض کی قبر کے نیچے تیسری جگہ مسیح کی قبر کا نقشہ پایا جانا یہ وہ باتیں ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے روایات مذکرہ کی صحت ثابت نہیں ہوسکتی۔ بلکہ بغایت نظر جو امر ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ ان لوگوں نے اپنے رسمی عقیدہ کی اتباع میں الفاظ مذکرہ بالا میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ لاغیر۔ اور آنحضرت کا موسےٰ علیہ السلام کو ایک طرف قبر میں نماز پڑھتے دیکھنا اور دوسری طرف شب معراج میں چھٹے آسمان میں ملاقات کرنا یہ برزخی قبر کی وسعت کے لحاظ سے ہی تھا

اور مولوی صاحب کا کنزل العمال کی اس حدیث کو پیش کرنا جو بتخریج ابن عساکر نقل کیگئی اور جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

عن عائیشۃ قالت قلت یارسول اللہ انی اریٰ انی اعلیش بعدک فتاذن ان ادفن الی جنبک فقال وانی لی بذالک الموضع ما فیہ الا موضع قبری وقبر ابی بکر وعمر وعیسیٰ ابن مریم۔ (جلد ۶ صفحہ ۵۷)

یعنے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا کہ مینے رسول خدا کے حضور عرض کیا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں حضور عالی کے بعد زندہ رہونگی۔ پس اجازت ہو تو میں آپکے پہلو میں دفن کی جاؤں۔ حضور نے فرمایا کہ اس جگہ کے متعلق میرا کیسے اختیار ہے جہاں میری اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عیسےٰ ابن مریم کی قبر کی جگہ کے سوا اور جگہ ہی نہیں۔

اس حدیث کی صحت میں بوجوہ ذیل بہت کچھ کلام ہے۔

(۱) یہ کہ کتاب مذکور کے صفحہ ۹ پر کنز العمال کے مولف نے خود لکھدیا ہے کہ ابن عساکر کی روایات منقولہ ضعیف ہیں اور قابل التفات نہیں ان سے استغنا کرنی مناسب ہے۔ اب شیخ علی متقی جو مولف کتاب ہیں جب وہی ابن عساکر کی روایات کو ضعیف اور ناقابل التفات بتارہے ہیں تو اب ایسی روایت پیش کردہ بمقابلہ ان روایات کے جو صحیح بخاری جیسی مستند کتاب میں پائی جاتی ہیں اور جن سے اس روایت کی کھلے طور سے تغلیط اور تردید ہوتی ہے کس حساب میں ہو سکتی ہے۔

(۲) یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی رؤیا سے اس روایت کی بوجہ عدم تطابق واقعہ تغلیط ظاہر ہوتی ہے۔

(۳) یہ کہ اگر یہ حدیث نبوی ہوتی تو عام نہ سہی خاص صحابہ کو تو ضرور ہی اسکا علم ہوتا۔ اور اس صورت میں حضرت عمرؓ کو حضرت عائشہ رضؓ سے دفن ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے کی ضرورت کہاں تھی خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ حضرت عمرؓ کی نازک حالت کیوقت ہزاروں صحابی موجود تھے کیا انمیں سے کسی کو بھی اس حدیث کی بنا پر یہ کہنے کا خیال نہ آیا کہ حضرت خلافت مآب اس حدیث کی رو سے حجرہ میں دفن ہونیکے مستحق ہیں۔ پھر دفن ہونیکے لئے جب حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضؓ کو حضرت عائشہ رضؓ کے حضور بھیجنا چاہا تو ایسے موقع پر کوئی ہی کہہ اوٹھتا کہ حضرت عائشہ رضؓ سے اجازت طلب کرنیکی کونسی ضرورت ہے۔ اس حدیث کے رو سے حضرت رسالت مآب کی زبان وحی ترجمان سے آپکے لئے حجرہ مطہرہ میں آپ کی قبر کے لئے جگہ نامزد ہو چکی ہے۔ وہاں آپ کا دفن ہونا حدیث مذکور کے رو سے مسلمہ حق ہی لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ حدیث مذکور میں تو حضرت عائشہ رضؓ

دفن ہونیکے لئے اجازت طلب کر رہی ہیں اور صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کا حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کرنا لکھا ہے۔ اب چونکہ صحیح بخاری کو کنزل العمال اور ابن عساکر کی ضعیف روایات پر بلحاظ صحت روایات و ثقاہت فضیلت اور تقدم حاصل ہے اسلئے عند التعارض صحیح بخاری کی روایات کو ترجیح دیجائیگی۔

(۴) یہ کہ جب حضرت عائشہؓ سے ہی یہ حدیث مروی ہے۔ اور حضرت عائشہؓ ہی سے حضرت عمرؓ نے اجازت طلبی کے لئے پیغام بھیجا تو اب اس موقعہ پر حضرت عائشہ کا حق تھا کہ وہ حدیث کی بنا پر حضرت عمرؓ کے دفن بحجرہ کا استحقاق ظاہر کرتیں لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ بجائے اظہار استحقاق کے فلاؤثرنہ علی نفسی فرماکر ایک دوسری بات کا اظہار فرمایا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو جگہ قبر کے لئے حضرت عمرؓ کو حضرت عائشہؓ کی اجازت کے ماتحت بطور ایثار ملی حضرت عائشہؓ اس اجازت طلبی سے پہلے اسے اپنے نفس کا ملک اور حق ہی سمجھتی تھیں اور نہ صرف وہی بلکہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنی اجازت طلبی سے حضرت عائشہؓ کے اس حق اور ملک کو تسلیم کیا ہے بلکہ دیگر سب صحابہؓ نے بھی۔ کیونکہ صحابہ سے کسی ایک نے بھی اس موقع پر تعرض نہیں کیا۔

(۵) یہ کہ اس حدیث کو بروایت عائشہؓ حدیث نبوی قرار دینے سے ایک خطرناک الزام خیانت حضرت عائشہؓ پر عائد ہوتا ہے اسطرح کہ حدیث نبوی کے الفاظ آنحضرت کے ایام زندگی کے واقعہ پر دلالت کرتے ہیں اور حضرت عمرؓ کا دفن ہونے کے لئے حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کرنا آنحضرتؐ کے بعد بلکہ حضرت ابو بکرؓ کے بعد اور حضرت عمرؓ کی زندگی کے آخری لمحوں کا واقعہ ہے۔ پس ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ کا اس حدیث کے ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ کی اجازت طلبی کے موقعہ پر بجائے اسکے کہ اس حدیث کی بنا پر حضرت عمرؓ کے حق کو تسلیم کرکے اُن کے حق سے انہیں اطلاع دیتیں۔ اس حدیث کو ذکر نہ کرنا جیسا کہ پتا لگتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بجائے اس حدیث کے تذکرہ کرنیکے اجازت دینے کے لئے فقرہ فلاؤ ثرنہ علی نفسی زبان سے نکالا جس سے دو سقم لازم آتے ہیں ایک یہ کہ حدیث نبوی جو انہی کی روایت سے مروی ہے باوجود اسکے راوی ہونے کے اسکے خلاف منشا فقرہ

فلاؤ نثرنہ علیٰ نفسی کا اظہار کیا جو ایک قسم کا خطرناک جرم تھا۔ دوسرے ایسے موقعہ پر حدیث نبوی کا باوجود راوی ہونیکے ذکر نہ کرنا اور پوشیدہ رکھنا بھی ایک خطرناک مجرمانہ خیانت تھی۔

اب مولوی ابراہیم صاحب غور کریں کہ اس حدیث کو حدیث نبوی قرار دینے اور اُسے حدیث نبوی تسلیم کرنے سے کسقدر فسادات لازم آتے ہیں۔ اور خود حضرت عائشہ صدیقہ رض جیسی پاک باز اور مطہرہ اور امینہ اور ام المؤمنین پر ہی آپ کے راوی ہونے سے کسقدر خطرناک الزامات عائد ہوتے ہیں۔ ونعوذ باللہ من ذلک۔

مینے مولویصاحب کے خطبہ کے بعض حصہ کا جواب دیدیا ہے جسکی تفصیل اور توسیع کے اندر مولویصاحب کے رسالہ کے اس حصہ کا جواب بھی آگیا جسمیں انہوں نے آنیوالے مسیح کے لئے آنحضرت کے مقبرہ کو مدفن ثابت کرنیکے لئے کئی ایک روایات بزعم خود مفید مطلب سمجھکر رسالہ میں درج کیں۔ اب میں رسالہ کے اُس حصہ کا جواب دینا چاہتا ہوں جسمیں مولویصاحب نے حضرت مرزا صاحبؑ کی اس تحقیق کے متعلق اعتراضات اٹھائے ہیں جس سے حضرت ممدوح نے یہ امر بپایۂ ثبوت پہنچادیا کہ کشمیر سرینگر محلہ خان یار میں جو قبر یوز آسف اور شاہزادہ نبی اور عیسےٰ صاحب کے نام سے مشہور ہے فی الواقع وہ قبر حضرت عیسےٰ اسرائیلی کی ہی ہے۔

لیکن قبل اسکے کہ میں اعتراضات کا جواب دوں اس امر کا اظہار کر دینا ضروری مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے رُو سے فوت شدہ ثابت ہو جانا ہی اہل اسلام کے لئے کافی تھا۔ اور فوت شدہ ہونے کے ثبوت کی بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کا حوالہ دینا ہمارے ذمہ نہ تھا کیونکہ ہزاروں انبیاء اور رسل دُنیا میں آئے جنمیں سے اکثر کا نام بھی ہم لوگ نہیں جانتے۔ اور قرآن کریم میں بھی انکی نسبت منھم من قصصنا علیك ومنھم لم نقصص علیك کے ارشاد سے یہی بتایا گیا کہ قرآن کریم میں بعض نبیوں اور رسولوں کا بیان ہی نہیں کیا گیا۔ پس جب بعض کا نام تک معلوم نہیں تو ان کی قبر کا علم کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اجائی

طور پر انکی موت کے ہم سب معتقد ہیں اور ایسا ہی جن انبیاء کے نام معلوم ہیں باوجودیکہ اُن سے بھی اکثر کی قبر کا ہمیں علم نہیں تاہم انکی موت کے ہم قائل ہیں۔ پس حضرت مسیح اسرائیلی کا آنحضرتؐ سے پہلے ہونا اور آنحضرتؐ کا مسیح کے بعد صاحب شریعت رسول کی حیثیت میں مبعوث ہوکر آنا علاوہ اور دلائل کے یہی ایک دلیل اُس کی وفات کیلئے کافی ہوسکتی تھی۔ جیسے کہ دوسرے نبیوں کی وفات کے متعلق ہمنے فرداً فرداً ذکر اور دلائل وفات کو معلوم کرنیکے بغیر ہی اُن کو فوت شدہ تسلیم کرلیا اور اُن سب کی وفات کے لئے قرآن کریم کی یہ ایک ہی آیت کافی ہے یعنے وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔ ترجمہ۔ نہیں محمدؐ مگر اللہ کے رسول آپؐ سے پہلے جو بھی رسول تھے وہ گذر گئے۔

لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق چونکہ شرک کا بہت بھاری ابتلا مقدر تھا اور آپ کی حیات کو بھی جو محض غلط فہمی اور اجتہادی غلطی کی بنا پر غیر معمولی طور پر تسلیم کیا گیا۔ مسیح کی الوہیت کو اس سے بہت کچھ مدد ملنے والی تھی اسلئے جہاں ایک طرف مسیحؑ کی الوہیت اور اسکی غیر معمولی حیات کیوجہ سے شرک کا زہر پیدا ہو گیا۔ دوسری طرف خدا تعالےٰ نے اپنے علم کامل اور حکمت بالغہ سے اس زہر کے دفعیہ کیلئے تریاق بھی پیدا کردیا۔ یعنے حیات مسیح کے غلط خیال اور مضر اعتقاد کی تغلیط اور تردید کیلئے وفات مسیح کے ثبوت میں اسقدر دلائل اور شواہد قائم کردیئے کہ جن کی صف بستہ اتحادی قوت بلکہ انفرادی طاقت کے سامنے بھی یہ آخری زمانہ کا دجالی طلسم ایک دم کیلئے بھی کھڑا نہیں رہ سکتا اور ایک آن میں ٹکڑے ٹکڑے ہوکر غبار کیطرح اُڑنے لگتا ہے۔ ہاں چونکہ ہر ایک امر کیلئے کوئی وقت مقرر ہوتا ہے۔ سو اسکے لئے بھی حضرت مسیح مہدی عالیجناب سیدنا حضرت مرزا صاحب کی بعثت اور ظہور کا وقت مقدر تھا سو موجودہ زمانہ میں وہ مقدر ظہور میں آگیا۔ اور حیات مسیح کے طلسمی بُت کی ہر طرف سے ٹوٹنے کی آواز زور سے سُنائی دے رہی ہے۔ اور دجالوں کے دجل کی حقیقت کُھل رہی ہے۔ اور الوہیت حقہ کی کامل تجلی اور شعاع سورج کیطرح شرک اور کفر اور دجل کی ظلمت کے پردوں کو پھاڑ پھاڑ کر نہاں در نہاں ظلمتکدوں میں گھس رہی ہے اور ہر طرف توحید اور تقدیس کا خوبصورت اور دلکش

نظارہ جلوہ دکھا رہا ہے۔ والحمد للہ علی ذٰلک:۔

پس مسیح کی وفات کا دلائل اور شواہد سے ثابت ہو جانا بلحاظ اسکی موت کے ثبوت کے اسکی قبر کے علم اور تحقیق کیضرورت سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اور وفات مسیح کے ثبوت کے لئے تحقیق کیضرورت ہو تو ازالہ اوہام اور دیگر کتب سلسلہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

اور مولوی ابراہیم صاحب کا حضرت مرزا صاحبؑ کی تیس آیات پیشکردہ کی تردید میں رسالہ شہادۃ القرآن کو پیشکرنا کہ اسمیں حیات مسیحؑ کا ثبوت ہے یہ متمردانہ ضد اور تجاہل کی بنا پر ہے جسکی تردید اور تغلیط میں سلسلہ کیطرف سے جواب نکل چکا ہے اور جسکی بے نظیری کے دعویٰ کو جو محض دجل اور تزویر کے ملمع سے آراستہ کیا گیا زبردست دلائل اور دندان شکن جواب سے خاک میں ملا دیا گیا ہے۔ پھر بلحاظ تاثیر حقیّت وصداقت جو دلائل حضرت مرزا صاحبؑ کی طرف سے پیش کئے گئے اُن کے اثر سے لاکھوں انسان سلسلہ حقہ احمدیہ میں داخل ہوئے لیکن مولویصاحب کے لچر پوچ اوہام باطلہ اور خیالات واہیہ کا نتیجہ جو ظہور میں آیا وہ بھی ظاہر ہے کہ مولویصاحب ناکامی اور نامرادی کی پُر حسرت موت سے زندہ ہی گور میں ہیں۔ اور نبیوں اور رسولوں کے ناکام اور نامُراد دُشمن جن حسرتوں اور کلفتوں کا بوجہ مخالفتِ صدق مُنہ دیکھا کرتے ہیں مولویصاحب بھی آج اُن سب کے وارث ہیں۔ مولوی ابراہیم مولوی ثناءاللہ مولوی محمد حسین بٹالوی اور دیگر اُن کے ہم نوا اور ہم مشرب جسقدر بھی حضرت مرزا صاحبؑ کی مخالفت کیلئے اور آپ کی راہ میں روک ڈالنے کے لئے عجیب در عجیب حیلوں اور کوششوں کو عمل میں لاتے رہے۔ ان سب نے دیکھ لیا کہ حضرت مرزا صاحبؑ سچے نبیوں اور رسولوں کی طرح ان سب دشمنان حق کے مقابل کس زبردست تحدّی کے ساتھ کامیاب اور بامُراد اور فائز المرام ہوئے۔ اور کیا نصرت الٰہیہ اور تائیدات سماویہ کا یہ کچھ کم اعجاز اور خارق عادت نشان ہے کہ ان دُشمنوں کی افواج سے لاکھوں کو اپنی طرف کھینچا اور اپنے مقاصد کی پیروی کے لئے لاکھوں انسان دشمنوں سے نکل نکل کر آپ کے وفادار دوست اور جان نثار متبع ہو گئے۔ کیا حضرت مرزا صاحب کی یہ اعجازی کامیابی کا نمونہ جھوٹے

مُدعیوں کی علامت کا ہُوا کرتا ہے۔ ولتعرف الاشجار باثمارھا۔ (درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے)

پس مولویصاحب کیلئے تو اسی قدر کافی تھا کہ وہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی شہادات کی بنا پر حضرت مسیح کی وفات کے مسئلہ کو تسلیم کر لیتے۔ قبر مسیح کے متعلق چھیڑ چھاڑ اور تنازع ڈالنے کی اُنہیں کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ مسیح کی قبر کی ضرورت اور اس کا خاص فائدہ تو حضرت مرزا صاحبؑ کو بغرض مقاصد کسر صلیب عیسائیوں کے مقابلہ میں ملحوظ تھا۔ اور یہ بات فی الواقع تھی بھی مفید اور مؤثر کہ جو قوم حضرت مسیح کو خُدا اور اُسکا بیٹا یقین کرتی ہے اُنکے اُس خُدا اور ولد اللہ کا مُردوں کیطرح ایک لاش بیجان کے ساتھ کسی قبر میں گڑا ہوُا ثابت ہو جانا یہ الوہیت مسیح کے بُت کو پاش پاش کرنے اور اُنکے غلط عقائد کی غلط بُنیاد کو منہدم کرنیکے لئے بہت بڑا کاری حربہ ہے جس سے کسر صلیب کا بہت بھاری مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ سو حضرت مرزا صاحبؑ کا علمی تحقیق کی بنا پر مسیح کی قبر کا کھوج نکالکر دلائل، شواہد۔ اور قرائن کے ساتھ سرینگر کشمیر کے محلہ خانیار میں واقع شدہ قبر کو حضرت مسیحؑ کی قبر ثابت کرنا واقعات حقہ اور امر واقع کی بنا پر سلسلہ تحقیق میں ایک بہترین علمی اضافہ ہے جسکا قدر دان اہل علم کو ممنون احسان ہونا چاہیئے۔ نہ یہ کہ مولوی ابراہیم کیطرح خواہ نخواہ بیقدری اور ناشکر گذاری کی راہ سے اُلٹا اُسپر حرف زنی اور عیب چینی کرنے کیلئے اعتراضات پیدا کرنیکی کوشش کرنا چنانچہ تحقیق مذکور پر اعتراضات اوٹھانیکی غرض سے مولویصاحب نے رسالہ الخبر الصحیح عن قبر المسیحؑ لکھ مارا جسمیں اُنہوں نے حضرت مرزا صاحبؑ کی اس تحقیق کے متعلق چار طرح کے اعتراضات بیان کئے ہیں۔

ایک ۱ یہ کہ احادیث اور دیگر روایات میں آیا ہے کہ مسیحؑ کی قبر آنحضرتؐ کے روضہ میں ہوگی۔ سو اوسکا جواب تو اوپر ہو چکا۔ دوسرے ۲ یہ کہ مرزا صاحبؑ کی تحقیق ناقص اور قابل اعتبار نہیں اسلئے کہ پہلے آپنے اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی قبر بلاد شام میں ہے اور بعد میں لکھ مارا کہ سری نگر کشمیر میں۔ تیسرے ۳ یہ کہ آیت وآوینا

ھما الیٰ ربوۃ ذات قرار ومعین۔ (سورۃ المومنون) کو مرزا صاحبؑ نے کشمیر والی قبر مسیحؑ کی تصدیق اور تائید میں پیش کیا ہے۔ حالانکہ اس آیت کا مصداق مسیحؑ کے متعلق شام کا واقعہ ہے نہ کشمیر کا۔

چھٹے مرزا صاحبؑ نے اپنی تحقیق میں کشمیر والی قبر مسیحؑ کی تصدیق اور تائید کے بارہ میں کتاب اکمال الدین کے بعض حوالجات سے کام لیا ہے۔ جو کسی طرح سے بھی مفید مطلب نہیں۔ یہ ہیں اعتراضات اب ان کا جواب ذیل میں ملاحظہ فرمایئے ؟ :-

مولویصاحب کے اس اعتراض کا جواب کہ مرزا صاحبؑ نے پہلے یہ لکھا کہ مسیحؑ کی قبر شام میں ہے اور بعد میں لکھا کہ کشمیر میں۔ یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے پہلے بھی جو کچھ لکھا اپنی طرف سے نہیں بلکہ روایات کی بنا پر لکھا اور بعد میں بھی جو کچھ لکھا اپنی طرف سے نہیں بلکہ واقعات ثابتہ اور روایات صحیحہ اور قرائن مثبتہ اور شواہد مصدقہ کی بنا پر لکھا۔ ہاں وفاتِ مسیحؑ کے ثابت ہو جانے کے بعد کسی روائت کا قبر مسیحؑ کے متعلق پایا جانا جبتک کہ کوئی دوسری زبردست روائت اس پہلی روائت کے ابطال اور تغلیط کے لئے نہ ملے پہلی روائت گو نفس الامر اور حقیقت امر واقع کے لحاظ سے کیسی ہی غلط اور خلاف حقیقت کیوں نہ ہو تسلیم کئے جانے کیلئے اپنے اندر بلحاظ اس طلب تحقیق کے جو ایسی صورت میں طبائع کا خاصہ ہے اپنی تصدیق کے لئے اپنے اندر اثر ضرور رکھتی ہے۔ اور اسطرح کی مثالیں سینکڑوں ہزاروں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً مولوی ابراہیم صاحب نے اپنے رسالہ میں قبر مسیحؑ کے متعلق کئی روایات کو لکھا ہے اب تحقیق اور تنقید کی رو سے جو روائت بھی مولویصاحب کے نزدیک مرتبہ صحت پر ثابت ہوگی۔ اس سے دوسری مخالف روایات کا ضعف اور نقص بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ لیکن جب تک ایسے ذرائع اور وسائل میسر نہ آئیں جو عند التحقیق روایات صحیحہ اور غیر صحیحہ کے امتیاز کیلئے مابہ الامتیاز بن سکیں تب تک کسی روایت کو بغیر تنقید اور بلا مقابلہ کے کیونکر غلط اور ناقص کہہ سکتے ہیں گو وہ دراصل بلحاظ اپنی نفس الامری

صورت کے غلط ہی ہو:۔

اسی طرح حضرت مرزا صاحبؑ نے ازالہ اوہام میں حضرت مسیح کی قبر کے متعلق جہاں صفحہ ۴۷۳ پر یہ تحریر فرمایا کہ "یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا لیکن یہ ہر گز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا پھر زندہ ہو گیا" مولوی صاحب کی اس منقولہ عبارت کے آگے یہ بھی لکھا "بلکہ اسی باب کی تیسری آیت ظاہر کر رہی ہے کہ بعد فوت ہو جانیکے کشفی طور پر مسیح چالیس دن تک اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ اسجگہ کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ مسیح بوجہ مصلوب ہونیکے فوت ہوا۔ کیونکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے صلیب سے مسیح کی جان بچائی تھی۔ بلکہ یہ تیسری آیت باب اوّل اعمال کی مسیح کی طبعی موت کی نسبت گواہی دے رہی ہے جو گلیل میں اس کو پیش آئی"

اب گلیل میں طبعی موت سے فوت ہو جانیکی روایت کا ماخذ باب اوّل اعمال کی تیسری آیت کو بتا رہے ہیں جسکی تصدیق اور تائید کتاب گروسی فکشن بائی این آئی وطنس سے کہ جسمیں صلیب کے چشم دید واقعات کو قلمبند کیا گیا ہے ظاہر ہے۔ اور علاوہ اسکے خود آنحضرتؐ جیسے صادق القول اور بزرگترین نبی کی حدیث سے جو صحیح بخاری میں موجود ہے مسیح کی قبر کا وجود متحقق ہے۔

چنانچہ حدیث یہ ہے لعنتہ اللہ علی الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجدا۔ یعنے یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنا لیا یعنے اُن کو سجدہ گاہ مقرر کر دیا اور انکی پرستش شروع کی۔ اب ظاہر ہے کہ نصاریٰ بنی اسرائیل کے دوسرے نبیونکی قبروں کی ہر گز پرستش نہیں کرتے۔ بلکہ تمام انبیاء کو گنہگار اور مرتکب صغائر و کبائر خیال کرتے ہیں۔ ہاں بلاد شام میں حضرت عیسٰےؑ کی قبر کی پرستش ہوتی ہے اور مقررہ تاریخوں پر ہزار ہا عیسائی سال بسال اس قبر پر جمع ہوتے ہیں۔ سو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ درحقیقت وہ حضرت عیسٰےؑ کی ہی قبر ہے جسمیں مجروح ہونیکی حالت میں وہ رکھے گئے تھے۔ اور اگر اس قبر کو حضرت عیسٰےؑ سے کچھ بھی تعلق نہیں تو پھر نعوذ باللہ

آنحضرتؐ کا قول صادق نہیں ٹھیرے گا۔ پس اگر حدیث میں نصاریٰ کی قبر پرستی کے ذکر میں اس قبر مسیح کیطرف اشارہ نہیں تو اب علماء اہلحدیث پر واجب ہے کہ وہ بتائیں اور ایسے نبی کی قبر کا ہمیں نشان دیں جسکی عیسائی پرستش کرتے ہوں یا کسی زمانہ میں کی ہو

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی کہیں کوئی قبر پائی جاتی ہے جسکی عیسائی لوگ پرستش کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کے بیان کرنے سے پہلے زمانہ میں عیسائی لوگ کسی ایسی قبر کی کہ جسکا حضرت مسیح سے کچھ بھی تعلق نہیں پرستش کیا کرتے تھے۔ یا کسی قبر سے تو تعلق تھا لیکن عیسائی لوگ پرستش نہیں کرتے تھے تو ان ہر دو صورتوں میں حضرت مخبر صادق کا قول باطل ٹھیرتا ہے ونعوذ باللہ من ذلک :۔

اور اگر اس حدیث سے بلاد شام والی قبر مسیح کا حضرت مسیح سے کچھ تعلق ثابت ہوتا ہے تو پھر انجیل کی اس عبارت کی اس حدیث سے تصدیق ہوتی ہے جس میں یونسؑ کے واقعہ کی مماثلت کا ذکر اور تین دن کے بعد مُردوں سے جی اُٹھنے کے متعلق لکھا ہے۔ اور یہ واقعہ کہ حضرت مسیح صلیب سے غشی کیحالت میں زندہ اُتارے گئے اور زندہ ہی بحالت غشی قبر میں داخل ہوئے اور زندہ ہی نکلے۔ جیسے کہ حضرت یونسؑ زندہ مچھلی کے پیٹ میں داخل ہوئے اور زندہ ہی نکلے۔ پس یہی قبر شام والی ہے جسمیں مسیح بحالت غشی و مجروح ہونیکے رکھے گئے۔ اور پھر قبر سے زندہ نکلنے کے بعد صلیب کے زخموں کے اندمال کیلئے مرہم طیار کرائی گئی جسکا نسخہ طب کی کثیر التعداد کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ اور جو مرہم عیسےٰ۔ مرہم رسل۔ مرہم حوارین کے نام سے مشہور ہے۔ اور جسکے استعمال کرنے سے حضرت مسیح کے سب زخم اچھے ہوگئے۔ اور پھر بموجب حدیث نبوی اوحی اللہ الی عیسےٰ ان یا عیسےٰ انتقل من مکان الی مکان لئلا تعرف فتوذی (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴)

یعنے خدا نے حضرت مسیح کیطرف وحی کی کہ اے عیسیٰ ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کے لئے رحلت اختیار کر تا یہودی لوگ تجھے شناخت کرنے سے پھر ایذا نہ دیں۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام نے ارض شام سے ہجرت کی جیسے کہ علی العموم ہجرت کرنا انبیاء کی سنت ہے حدیث بخاری جو پہلے ذکر کیگئی ہے اور حدیث کنزالعمال جو بعد میں تحریر میں لائی گئی ان دونوں حدیثوں کو ملاکر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شام والی قبر سے مسیح علیہ السلام کا ضرور تعلق ہے اور یہ کہ مسیح اس قبر میں یونسؑ نبی کی مماثلت میں زندہ داخل ہوکر اور زندہ نکل کر پھر کنزالعمال والی حدیث کے روسے ارض شام سے ہجرت کر گئے۔ جو بعد کی تحقیق سے ثابت ہوا کہ جہاں آپ نے ہجرت کی وہ کشمیر کی سرزمین تھی جہاں اب تک آپکا مدفن اور آپکی قبر موجود ہے۔ وہو المطلوب۔

پس حضرت مرزا صاحبؑ نے اگر کسی روایت کی بناء پر حضرت مسیحؑ کی قبر کو گلیل میں بتایا تو یہ امر حضرت مسیحؑ کی کشمیر والی قبر اور موت والی صحیح تحقیق اور امر واقع کی حقیقت کو باطل نہیں کر سکتا جیسا کہ آنحضرتؐ کی حدیث جو صحیح بخاری سے نقل کیگئی۔ یعنے لعنۃ اللہ علے الیہود والنصاریٰ الخ اسکی حقیقت میں شام والی قبر مسیحؑ کے متعلق علماء اہلحدیث خصوصاً مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کی تکذیب اور انکار سے کچھ فرق نہیں آسکتا:۔

پس حضرت مرزا صاحبؑ نے گلیل والی روایت کو صرف روایت کی حد تک محدود فرماکر سرسری طور پر بیان فرمادیا نہ کہ اسکے متعلق کسی وحی اور الہام کی بناء پر فرمایا کہ گلیل والی روایت ایسے حق اور حقیقت پر مبنی ہے کہ جسکا تخلف کسی طرح سے ممکن ہی نہیں۔ بلکہ آپنے تو خود اس روایت کے متعلق بعد کی تحقیق سے تردید کا اظہار فرمادیا چنانچہ رسالہ معیار المذاہب کے صـ۲۲ پر تحریر فرماتے ہیں "ہمنے کسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی بلاد شام میں قبر ہے مگر اب صحیح تحقیق ہمیں اس بات کے لکھنے کے لئے مجبور کرتی ہے کہ واقعی قبر وہی ہے جو کشمیر میں ہے۔ اور ملک شام کی قبر زندہ درگور کا نمونہ تھا جس سے وہ نکل آئے تھے۔"

اب اس پہلی روایت کا سقم ظاہر ہوا تو صرف اتنا کہ وہ حقیقی موت کے بعد کی حالت کے لحاظ سے نہ تھی۔ بلکہ زندہ درگور کا نمونہ تھا جو صلیبی زخموں کی تکلیف سے

بحالت غشی مُردہ سمجھکر آپ کیلئے بنائی گئی۔ اب یہ سقم کچھ ایسا سقم نہیں کہ جسپر مخالفین کو واویلا کرنے اور شور مچانیکی ضرورت پیش آئے۔ نامعلوم مولویصاحب کو ایسے غلط اور لچر اعتراضات کیطرف کیوں توجہ ہوئی۔ کاش مولویصاحب قرآن کریم کی پیش کردہ مثال جو فلما را کوکبا هذا ربی فلما افل قال لا احب الآفلین۔ اور پھر اسکے بعد فلما رای القمر بازغا قال هذا ربی اور پھر اسکے بعد فلما رای الشمس بازغة قال هذا ربی هذا اکبر۔ پھر اسکے بعد انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض کے الفاظ میں بتائی گئی اور ستارہ کے بعد چاند اور چاند کے سورج اور پھر سورج کے بعد خالق الارض والسموات خدا کی الوہیت تک جو آخری درجہ تحقیق اور حقیقت کا ہے کتنے مدارج کے بعد حاصل ہوا اور اگر اُسے بغرض تبلیغ بصورت استفہام انکاری تسلیم کریں تو بھی یہ مدارج تفہیم مثال متذکرہ بالا میں تحقیق اور حقیقت کے منافی نہیں ؛۔

اب رہا حضرت مرزا صاحبؑ کی یہ تحقیق کہ مسیح اسرائیلی علیہ السلام کی قبر سرینگر کشمیر کے محلہ خانیار میں ہے۔ یہ تحقیق فی الواقع بہت سے قرائن اور شواہد کے رو سے حق اور صحیح ہے :۔

(۱) اسلئے کہ مسیح علیہ السلام کا شام سے افغانستان اور کشمیر کیطرف خواہ بصورت ہجرت خواہ بطور سیاحت خواہ بغرض تبلیغ آنا متحقق اور ثابت شدہ امر ہے کیونکہ ہر سہ صورتیں نقل و حرکت مکانی کو چاہتی ہیں۔ ہجرت بھی۔ سیاحت بھی۔ تبلیغ رسالت بھی۔ اور ظاہر ہے کہ ان تینوں صورتوں کا حضرت مسیحؑ کے ساتھ تعلق پایا جاتا ہے اور ضرور پایا جاتا ہے۔ ہجرت کے ساتھ اسطرح کہ یہودیوں کی شرارت اور فتنہ انگیزی کہ جسکا نتیجہ صلیب کے ابتلا کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور جس سے بصد مشکل جان بچی۔ ایسی حالت کے بعد مسیحؑ کا یہودیوں کے درمیان ارض شام میں زندگی گذارنا ایک سخت ترین مشکل امر تھا۔ اسلئے انبیاء کی سنت پر ایسے موقع پر یہی مناسب تھا کہ آپ ارض شام سے کہیں اور جگہ ہجرت کے طور پر نقل و حرکت فرماتے۔ سو آپ نے

ہجرت کی۔ اور ارض شام سے بصورت ہجرت سرزمین کشمیر تک پہنچے۔ اس مضمون کو ایک حدیث نبوی نے بہت ہی خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے اور وہ یہ ہے اوحی اللہ الی عیسے ان یا عیسے انتقل من مکان الی مکان لئلا تعرف فتوذی۔ (کنز العمال جلد ۲) یعنے اللہ تعالیٰ نے واقعہ صلیب کے پیش آنیکے بعد حضرت عیسےٰ کیطرف وحی کی یہ کہ اے عیسےٰ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جا اسلئے کہ یہود تجھے شناخت کرکے پھر ایذا اور دُکھ نہ پونچائیں۔ اس حدیث کے الفاظ لئلا تعرف فتوذی جس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں وہ یہ کہ انتقل جو صیغۂ امر ہے اور جسکے معنے ہیں ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جا۔ اسکی وجہ فقرۂ لئلا تعرف فتوذی میں بتائی کہ کیوں نقل و حرکت اختیار کر اسلئے کہ عدم انتقال سے تو اسجگہ اور اس سرزمین میں شناخت کیا جائیگا اسلئے کہ لوگ تجھے پہچانتے ہیں۔ پھر شناخت کرنیسے تجھے ایذا دیجائیگی۔ اب ظاہر ہے کہ شناخت کرنے سے ایذا دینے والے شام کے یہودی ہی تھے اور کون تھے یہی وجہ ہے کہ ترجمہ حدیث میں بطور حاصل بالمعنے صیغہ مجہول کو ہیں نے معروف کے معنوںمیں استعمال کیا۔ اور لئلا تعرف کے فقرہ سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وحی میں ارض شام سے اس سرزمین کیطرف منتقل ہونیکے لئے حکم دیا گیا کہ جسمیں آپ کو کوئی شناخت نہ کر سکتا ہو۔ اور یہ اسلئے کہ آپ کو بوجہ شناخت ایذا نہ پہنچے۔ اب ظاہر ہے کہ ارض شام میں یہودی لوگ تو ہر جگہ آپ کو بخوبی پہچانتے تھے جس سے وحی کی بنا پر آپ کی ہجرت ارض شام سے باہر کسی دوسری سرزمین میں ہی مناسب ہو سکتی تھی لیکن ارض شام سے باہر ہجرت کے لئے وہی سرزمین موزوں اور مناسب تھی جس میں بنی اسرائیل کی بکھری ہوئی بھیڑیں بھی پائی جاتی ہوں تا ہجرت کے ذریعہ علاوہ حفاظت جان کے مقصد کے تبلیغ رسالت کا اہم مقصد بھی حاصل ہو۔ ورنہ ایسی جگہ کی ہجرت اور ایسے لوگوںمیں ہجرت جو بنی اسرائیل نہ ہوں جنکے لئے آپ کی بعثت اور رسالت کو تعلق ہی نہ تھا چنداں مفید نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ آپ

بموجب ارشاد رسولاً الیٰ بنی اسرائیل اسرائیلی لوگوں کے لئے ہی مبعوث اور مرسل ہوئے تھے۔ اور تاریخ اور تحقیق سے ثابت ہے کہ کشمیری اور افغانی لوگ بنی اسرائیل کی قوم سے ہیں۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام کا ہجرت کرنا افغانستان اور ارض کشمیر ہی کیطرف موزون ہو سکتا تھا۔ تا اسرائیل کی کھوئی ہوئی اور بکھری ہوئی بھیڑوں کو دوبارہ جمع کرتے۔ جو بخت نصر کے ظلم و ستم سے منتشر ہو چکی تھیں۔ چنانچہ انجیل یوحنا کی آیت ذیل سے بھی اسکی تصدیق ظاہر ہے۔

"میں بھیڑوں کے لئے اپنی جان دیتا ہوں۔ اور میری اور بھی بھیڑیں ہیں۔ جو اس بھیڑ خانہ کی نہیں ضرور ہے کہ میں اُنہیں بھی لاؤں اور وے میری آواز سُنینگی"۔

تبلیغ رسالت کے لحاظ سے بھی ضروری تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام جب سب اسرائیلیوں کے لئے رسول ہو کر آئے تھے تو ضرور تھا کہ آپ جہاں جہاں بھی اسرائیلی پائے جاتے تھے وہاں جاکر انہیں تبلیغ رسالت فرماتے۔ اور جو لوگ صلیبی واقعہ کے پیش آنیکے موقع پر انہیں آسمان پر جا بٹھاتے ہیں وہ نہیں سمجھتے کہ آسمان پر انبیاء اور رسل کا تبلیغ رسالت کے اہم فرض منصب کی ادائیگی کے سوا جانا سخت نامناسب اور ناجائز ہے۔ اور آسمان پر انبیاء اور رسل جسطرح جاتے ہیں وہ آدم۔ یحییٰ۔ یوسف ادریس۔ ہارون۔ موسےٰ۔ ابراہیم وغیرہ انبیاء کیطرح بعد ادائیگی فرض تبلیغ اور بعد انقطاع سلسلہ حیات دنیوی ہی جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ درمیان میں تبلیغ رسالت کے کام کو بالکل ادہورا چھوڑ کر آسمان پر خلاف سنت اللہ خاکی جسم سمیت یوں ہی جا بیٹھیں۔ پس حق یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی حکمت اور مصلحت کے ماتحت بذریعہ ہجرت افغانستان اور کشمیر کیطرف آئے اور ضرور آئے تا علاوہ حفاظت جان تبلیغ رسالت کے مستحق منتشر اسرائیلی لوگوں کو ابلاغ حق فرمانے سے بعد ادائیگی فرض اپنے تئیں خدا کے حضور سرخرو ٹھیرائیں۔

اور سیاحت کا مفہوم بھی ہجرت مذکورہ کے ذریعہ سے ہی متحقق ہو سکتا ہے۔ ورنہ مسیح علیہ السلام کیلئے تینتیس سال کی عمر میں ہی آسمان پر چلے جانا علاوہ تبلیغی

فرض کی ادائگی کے دو تین سال میں اسقدر سیاحت کا پایا جانا کہ جسکی وجہ سے آپ پر لفظ مسیح کا مفہوم پورے طور سے صادق آسکے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ مسیح کا لفظ بمعنے سیاحت ان معنوں پر ضرور دال ہونا چاہیئے تھا کہ اگر اور نہ سہی تو کم از کم جن جن بلاد اور جس جس سرزمین میں اسرائیل کی قوم کے منتشر لوگ پائے جانے تھے وہاں وہاں تو آپ کی سیاحت کا تعلق ضرور پایا جاتا جیساکہ فرض تبلیغ کا مقتضی بہی اسباب کے لئے آپ کو مجبور کرنیکا اپنے اندر استحقاق رکھتا ہے۔ اور اگر مسیح کی سیاحت صرف خطۂ شام کے چند دیہات اور علاقجات تک محدود رکھی تو اس معمولی سیاحت کیوجہ سے تو مسیح کا اسم اپنے مسمّٰی پر بلحاظ کامل مفہوم سیاحت دلالت کرنے سے قاصر ہے۔

لفظ مسیح کی لغت کے متعلق لسان العرب میں لکھا ہے۔ سمّی عیسیٰ مسیح لانہ کان سائحا فی الارض لا یستقر۔ یعنے عیسیٰ کا نام مسیح اسلئے ہے کہ وہ زمین میں سیاحت کرتے رہتے تھے۔ اور کسی جگہ کو مستقل طور پر مستقر نہیں بناتے تھے۔ اور آپ کی سیاحت اس کثرت اور اس وسعت کے ساتھ پائی جاتی تھی کہ آپ کو سیاحوں کا امام اور سردار قرار دیا گیا چنانچہ کتاب سراج الملوک میں علامہ محمد ابن محمد ابن الولید آپ کی نسبت کلمات ذیل مرقوم فرماتے ہیں۔

این عیسیٰ روح اللہ وکلمتہ راس الزاھدین وامام السائحین

یعنے حضرت عیسیٰ جو روح اللہ اور کلمۃ اللہ اور زاہدوں کے سردار اور سیاحوں کے امام تھے کہاں گئے۔ یہ کلمات بلحاظ موت حضرت مسیح کے فرمائے کہ وہ فوت ہوچکے۔ حدیث متذکرہ بالا جو انتقل من مکان الی مکان الخ کی وحی کے الفاظ میں کنز العمال میں درج ہے وہ بھی مسیح کے انہی معنوں پر دلالت کرتی ہے جنہیں اوپر ذکر کیا گیا ہ۔

ایسا ہی کتاب روضۃ الشہدا جلد ا صسے ۱۳۳ میں لکھا ہے اور عنوان ذیل ذکر شروع کیا ہے۔ در ذکر رفتن عیسیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ ناحیۂ نصیبین جس سے ظاہر ہے۔

کہ حضرت مسیح سیر و سیاحت کرتے کرتے نصیبین کی حد تک پہنچ گئے اور نصیبین موصل اور شام کے درمیان ایک شہر ہے جسے انگریزی نقشوں میں نسی بس کے نام سے لکھا ہے۔ جب ہم ملک شام سے فارس کیطرف سفر کریں تو نصیبین ہماری راہ میں آئیگا۔ اور وہ بیت المقدس سے قریباً ساڑھے چار سو کوس ہے۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۲ پر لکھا ہے ارباب اخبار گفتہ اند کہ در زمان عیسے علیہ السلام پادشاہ ہے بود در ولایت نصیبین بغایت متکبر و جبار حضرت نبوی بدعوت او مامور شدہ متوجہ بہ نصیبین گشتہ۔ اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ضرور نصیبین میں گئے۔

ایسا ہی ناٹووچ روسی سیاح اپنی کتاب میں جو مسیح کی نامعلوم زندگی کی نسبت لکھی ہے اور شائع کی ہے اسمیں وہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ۳۶ سال کی عمر میں حضرت مسیح علیہ السلام نیپال میں تھے اور تبت و کشمیر و ہندوستان میں آئے تھے۔ دیکھو کتاب مذکور مع ترجمہ اردو۔ اس حوالہ سے کھلے طور سے واضح اور ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام علاوہ ہندوستان او تبت کے کشمیر میں بھی ضرور آئے۔

پھر کتاب اکمال الدین واتمام النعمۃ کے صفحہ ۳۵۶ مطبوعہ ایران میں یوز آسف یعنے یسوع مسیح کی نسبت عربی عبارت میں یہہ لکھا ہے ثم اتی ارض سولابط وسار فی بلاد و مدائن کثیرۃ حتے اتی ارضا تسمی قشمیر فسار فیھا ومکث حتی اتاہ الاجل۔ یعنی پھر یوز آسف سرزمین سولابط میں آیا اور کئی شہروں کی سیر کی اور بہت سے شہروں میں پھرا حتے کہ اس زمین میں آیا جسکا نام کشمیر ہے اور اسمیں پھرتا رہا اور آخر وہاں ہی ٹھہرا رہا یہاں تک کہ اوسے وہیں اجل آگئی۔

مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کتاب اکمال الدین میں جسمیں یوز آسف کا ذکر ہے اسکو حضرت مسیح نہیں سمجھتے بلکہ ہندوستان کے شاہزادوں سے ایک شاہزادہ سمجھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی یوز آسف کے نام کا شاہزادہ بھی ہو جسکا

نام مسیح کے اسی نام پر رکھا گیا ہو۔ جیسا کہ سینکڑوں آدمیوں کا نام انبیاء کے نام پر ابراہیم۔ اسحاق۔ اسمٰعیل۔ یعقوب۔ یوسف۔ داؤد۔ سلیمان۔ عیسےٰ۔ محمد۔ احمد۔ وغیرہ بطور تفاؤل رکھا جاتا ہے۔

لیکن جب اس امر میں غور کرتے ہیں کہ یوز آسف کو ایک طرف ابن الملک یعنے شاہزادہ کے لقب سے ذکر کیا جاتا ہے اور دوسری طرف سرینگر کشمیر کے محلہ خانیار کی قبر کو جہاں یوز آسف کے نام پر پکارا جاتا ہے وہاں اسی قبر والے کو عیسےٰ صاحب اور شاہزادہ نبی و نبی صاحب کے نام سے بھی شہرت حاصل ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر والا یوز آسف۔ شاہزادہ نبی اور عیسیٰ صاحب کے نام کے لحاظ سے ایک طرف نبی کہلائے اور دوسری طرف عیسےٰ کا نام رکھنے سے وہ یوز آسف مراد نہیں ہو سکتا جسے مولوی صاحب صرف ہندوستانی شاہزادہ سمجھ رہے ہیں۔ بلکہ یہ یوز آسف یسوع مسیح حضرت عیسےٰ نبی ہیں۔ جو شام کی سرزمین سے بتقریب ہجرت بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جو بخت نصر کے عہد سلطنت میں بوجہ غارت و برباد تتر بتر اور منتشر ہو گئی تھیں انہیں جمع کرنے اور انہیں تبلیغ حق کرنے کی غرض سے کشمیر کیطرف آئے۔

چنانچہ کتاب اکمال الدین کی عبارت متذکرہ بالا یعنی سار فی بلادٍ و مدائن کثیرۃ حتےٰ اتی ارضاً تسمے قشمیر۔ جس میں یوز آسف کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بہت سے بلاد اور مدائن کی سیر کرتا ہوا کشمیر کی سرزمین میں پہنچا یہ عبارت جیسے اسم مسیح کے مفہوم کے لحاظ سے حضرت عیسےٰ کے حالاتِ سیاحت اور ہجرت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے کسی اور کے ساتھ نہیں رکھتی۔

پھر علاوہ اسکے عجیب بات یہ ہے کہ اس قبر والے کو جہاں عیسےٰ صاحب کے نام سے پکارا جاتا ہے وہاں شاہزادہ نبی کے نام سے بھی اوسے شہرت حاصل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کا لقب شاہزادہ بھی ہے اسلئے کہ آپ کی نسبت لکھا تھا کہ وہ داؤد کے تخت کا وارث ہو گا۔ اور شاہزادہ ہو گا۔ اور حضرت

مسیح کا ابن داؤد کہلانا در حقیقت شاہزادہ کا ہی مترادف ہے۔ اور شاہزادہ کے لفظ سے گو خیال ہو سکتا ہے کہ کوئی اور ہو حضرت مسیح اس سے مراد نہ ہوں۔ لیکن نبی کا لفظ ایک ایسا مضبوط اور محکم قرینہ ہے کہ جس سے حضرت عیسےٰ کے غیر کے متعلق جو شبہ اور وہم پیدا ہو سکتا تھا وہ ایک آن میں دور ہو جاتا ہے کیونکہ شاہزادہ کے ساتھ لفظ نبی کا یہ صرف حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے ہی مخصوص ہے نہ کسی اور سے۔ خواہ وہ شاہزادہ کے لقب سے ہی کیوں مشہور نہ ہو پس لفظ نبی کا ان سب شکوک و شبہات کا قلع وقمع کر دینے کے لئے کفایت کرنیوالا ہے۔ جو یوز آسف یا شاہزادہ کے لفظ کے متعلق بطور احتمال پیدا ہو سکتے تھے۔ کیونکہ نبی کا لفظ اور عیسیٰ صاحب کا لفظ ان دونوں کا صاحب قبر کے متعلق استعمال کئے جانا تنازعات کے فیصلہ کے لئے ایک عجیب مفتاح اور فیصلہ کن مابہ الامتیاز ہے۔

مزید برآں یہ کہ اسی کتاب اکمال الدین کے صفحہ ۳۱۷ لغایت ۳۵۹ پر یہ بھی لکھا ہے کہ یسوع جب کشمیر وغیرہ کیطرف آیا تو اوسکے پاس کتاب انجیل تھی جسکا اصل نام بشوری ہے۔ اور لفظ بشوری جو دراصل بشریٰ ہے انجیل کا ہم معنے ہے ؛

اب غور فرمائیے کہ قبر والا یوز آسف جو ایک طرف شاہزادہ نبی کے نام سے مشہور ہے اور دوسری طرف عیسےٰ صاحب کے نام سے۔ اور پھر ایک طرف اوسے نبی کہا جاتا ہے اور دوسری طرف اوسکے ساتھ بشریٰ یعنی کتاب انجیل بھی پائی جاتی ہے۔ کیا ایسی خصوصیات ایک معمولی سمجھ کے انسان کو بھی اس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرتیں کہ ان خصوصیات والا انسان یقیناً یقیناً حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہی تھے۔ اور یوز آسف کا لفظ بھی بوجہ تغیر زبان ممکن ہے کہ یسوع صاحب کے لفظ کے بگڑنے سے ہی بنا ہو۔ جیساکہ ظاہر ہے کہ بعض الفاظ بوجہ تغیر زبان متغیر اور متبدل ہو کر کچھ کے کچھ بن جاتے ہیں۔ جیساکہ عرب لنڈن کو لندرا۔ اٹلی کو اطالیہ بولتے ہیں۔

پھر علاوہ اسکے بہت سے مقاماتِ کشمیر کا مُلک شام کے مقامات کا ہم نام ہونا جیسا کہ مثلاً کشمیر میں گلگت ہے تو ارض مقدسہ میں بھی اسی نام کا گلگت موجود ہے۔ اگر یہاں بابل ہے تو وہاں بھی بابل ہے۔ اگر یہاں طور ہے تو وہاں بھی طور ہے۔ اگر یہاں نینوہ ہے تو وہاں بھی نینوہ ہے۔ یہاں تخت سلیمان ہے تو وہاں بھی تخت سلیمان ہے۔ اگر یہاں صور ہے تو وہاں بھی صور ہے۔ اگر یہاں صیدا ہے تو وہاں بھی صیدا ہے۔ اگر یہاں حمص ہے تو وہاں بھی حمص ہے۔

اب ان دو الگ الگ ملکوں کے شہروں کا ہمنام ہونا یہ وہ بات ہے جو تحقیق ماسبق پر حقیقت کی ایک ایسی بیّن روشنی ڈالتی ہے جس سے انکشافِ حقیقت الامر میں وہ خاصی مدد ملتی ہے۔ جو محقق کو ایک آن میں اس امر کے تسلیم کرنیکے لیئے مجبور کردیتی ہے۔ کہ خطۂ کشمیر میں ارض شام کے مُہاجر اور جلاوطنی لوگ آئے اور ضرور آئے۔ اور وہاں آباد ہونے سے انہوں نے اپنے اصل وطن اور اصل ملک کے شہروں کے نام پر نئی آبادیوں کیوقت نئے شہروں کے نام رکھنے سے نہ صرف اپنے وطن اور اپنے بلاد کی یاد کو ہی تازہ رکھنے کا سامان پیدا کیا بلکہ ان شہروں کے نام سے اس حقیقت سے بھی آگاہ کرنیکے لئے اسبات کا کھلے طور سے اظہار کیا کہ اس اس نام کے شہروں اور مقاموں کے آباد گر دراصل ارض شام کے باشندے ہیں۔ اسکی مثال خود ہمارے اس ملک پنجاب میں پائی جاتی ہے کہ جن جن لوگوں کو نئے چکوں میں مربع جات کے طور پر اراضی ملی ہے۔ وہ جس جس دیہات سے وہاں گئے علے العموم انہی کے نام پر اپنی نئی بستیوں کے نام رکھے۔

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے رسالہ "مسیح ہندوستان میں" کے اندر اس تحقیق کو بہت سے قرائن اور شواہد کے بیان کرنیکے ساتھ بہ بسط وتفصیل ذکر کیا ہے۔ من شاء فلیرجع الیھا۔

اب رہا یہ کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے اپنی اس کامل مکمل تحقیق کے آیت

وجعلنا ابن مریم و امہ ایۃ و اوینا ھما الی ربوۃ ذات قرار و معین کو امر پیشکردہ کی تائید اور تصدیق میں پیش کیا ہے۔ جسکا امر پیشکردہ کی تائید میں پیشکرنا مولوی ابراہیم صاحب کے نزدیک بے محل اور خطرناک غلطی ہے۔ اور جو امر اس آیت کا صحیح مصداق ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ ربوۃ اور فقرۂ ذات قرار و معین سے مراد ارض شام کا وہ مقام ہے جو ربوۃ اور ذات قرار و معین کی صفت سے متصف ہے نہ خطۂ کشمیر کا وہ مقام جسکی طرف حضرت مرزا صاحب اشارہ فرماتے ہیں:۔

مولویصاحب نے ارض شام کو آیت متذکرہ کا مصداق بنانے کی غرض سے استشہاداً اور کئی آیات کو بھی تائید میں پیش کیا ہے۔ سو اسجگہ ہم مولویصاحب کی اس علمی تحقیق پر نظر کرنا چاہتے ہیں جسسے انہوں نے آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے اس آیت کا ارض شام کے مقدس مقام یعنی بیت المقدس کو مصداق بنانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن قبل اسکے کہ ہم مولویصاحب کی تفسیر آیت پر نظر غور کریں بطور تنقید کچھ عرض کریں۔ اتنا عرض کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ کا ایک کامل اور صحیح تحقیق کے بعد اس آیت کو حضرت مسیحؑ کی اس منکشف الحقیقت اور ثابت شدہ ہجرت اور سیاحت کے متعلق پیشکرنا جسکی تقریب پر حضرت موصوف ارض شام سے ارض کشمیر میں آئے۔ آیت موصوفہ کی شان بلاغت اور شان علم کو دوبالا کرتا ہے۔ اوّل اسلئے کہ اس آیت سے ایک صحیح علمی تحقیق کے بعد سری نگر کشمیر کا اپنے حالات کے لحاظ سے متحقق ہونا خدائے عالم الغیب کے اعجاز غیب کا بہت بڑا ثبوت ملتا ہے۔ دوسرے اگر آیت موصوفہ کو ارض شام کے کسی مقام پر چسپان کیا جائے تو گو ربوۃ اور ذات قرار و معین کے الفاظ کے لئے کوئی مقام خواہ تکلف ہی سہی مراد لیا جا سکتا ہے۔ لیکن لفظ اوی کا مفہوم اور حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے تلخ زندگی کے ساتھ ارض شام کے یہود کے درمیان واقعہ صلیب کی تقریب کے بعد زندگی گذارنے میں مشکلات کا سامنا یہ وہ بات ہے کہ جسکے

لحاظ سے ربوہ اور ذات قرار و معین کا مصداق ارض شام کے کسی مقام کو قرار دینا حالات اور واقعات کے خلاف ہونیسے کسی حقیقت اور صحت کی بنا پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرے آیت موصوفہ کو ارض کشمیر پر چسپان کرنا علاوہ تحقیقی قرائن اور شواہد کی بیّن شہادت اور واضح ثبوت کے حدیث اوحی اللہ الی عیسےٰ ان یا عیسےٰ انتقل من مکان الی مکان لئلا تعرف فتوذی سے ایک ایسی مطابقت حاصل ہے کہ جس سے آیت اور حدیث بشان معنیٰ تظاہر نورٌ علےٰ نور ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت مسیح کو مع اُنکی والدہ ایک سخت حادثہ اور خطرناک سانحہ کے پیش آنیکے بعد پناہ کیلئے ایک ایسی سرزمین کیطرف لایا گیا جسمیں پہاڑ اور چشمے ہیں۔ اور حدیث میں بتایا گیا کہ نقل و حرکت اور ہجرت کے لئے ایسا مکان اور ایسی سرزمین ہو جسمیں جانیسے لئلا تعرف فتوذی کا مصداق حاصل ہو سکے۔

اب ظاہر ہے کہ ارض شام میں تو یہ مقصد حضرت مسیح کیلئے ناممکن تھا کیونکہ جابجا قوم یہود کے بدترین دشمن جو آپکے مقتول اور مصلوب ہونیکے لئے بدل و جان خواہاں تھے اور جنکی خطرناک اور سخت خطرناک کوشش سے حضرت مسیح ایک دفعہ صلیب کا مُنہ بھی دیکھ چکے تھے جس سے زندہ اُترنا بظاہر ایک ناممکن امر معلوم ہوتا تھا۔ اور اگر خدا تعالیٰ کی مخفی تدبیر جو ارشاد آیت مکروا و مکر اللہ واللہ خیر الماکرین کی ماتحت حکمت اور مصلحت کے معنوں میں عمل میں لائی گئی۔ حضرت مسیح کے زندہ رکھنے کے لئے اپنا اثر نہ دکھاتی تو حضرت مسیح کا یہود کی اس پُر شرارت اور پُر مکر کوشش اور تجویز سے جو مصلوب کرنیکے لئے عمل میں لائی گئی۔ جانبر ہونا بالکل محالات سے تھا۔

اب اس صورت میں حضرت مسیح ارض شام میں کہاں رہ سکتے تھے۔ اور اگر بقول مولوی ابراہیم صاحب اوی کیلئے ارض مقدسہ کا مقدس مقام یعنی بیت المقدس موزون تھا تو پھر مسیح کے لئے اونکے نزدیک آسمان پر لیجانا کس مطلب اور غرض کیلئے تھا۔ بہتر تھا کہ بیت المقدس میں ہی ہجرت کے لئے جگہ ملجاتی۔ لیکن بموجب

الفاظ حدیث کیا بیت المقدس میں لئلا تعرف فتوذی کا مقصد حضرت مسیحؑ کو حاصل ہو سکتا تھا۔ اور کیا بیت المقدس ایسی جگہ تھی کہ جہاں آپکو کوئی شناخت نہ کرتا تھا جب ایسا نہیں بلکہ بیت المقدس میں رہنے والے یہودی آپ کو خوب شناخت کرتے تھے۔ تو وہاں یہ کیونکر مقصد حاصل ہو سکتا تھا پس حضرت مسیحؑ کا ارض شام میں سے ارض شام کے ہی کسی مقام میں ہجرت کرنا مناسب اور موزون نہ تھا۔ ہاں سرزمین کشمیر کیا بلحاظ مقصد حدیث اور کیا بلحاظ حضرت مسیحؑ کے اس قول کے جو انجیل یوحنا باب ۱۰ آیت ۱۵ و ۱۶ میں پایا جاتا ہے۔ یعنے یہ کہ "میں بھیڑوں کے لئے اپنی جان دیتا ہوں۔ اور میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانہ کی نہیں۔ ضرور ہے کہ میں اُنہیں بھی لاؤں۔ اور وے میری آواز سُنینگی اور ایک ہی گلہ اور ایک ہی گڈریا ہوگا" یعنے بغرض تبلیغ گم شدہ اور منتشر شدہ اسرائیلی لوگوں کے موزون اور مناسب تھی۔

علاوہ اسکے قرآن کریم کا حسب ارشاد ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم حضرت مسیحؑ کو حضرت آدمؑ کی مماثلت میں پیش کرنا مماثلت کے ایک پہلو کے لحاظ سے لطیف طور پر اسبات کیطرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ جسطرح حضرت آدمؑ کی ہجرت گاہ سرزمین ہند ہوئی۔ اسیطرح مسیحؑ کے لئے بھی ہجرت گاہ سرزمین ہند ہی قرار دیگئی۔ یہ آیت قرآن کریم میں آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی جس سے ایک نیا علم آپؐ کو دیا گیا اور جسمیں علاوہ اور مماثلت کے پہلوؤں کے ایک پہلو مماثلت کا یہ بھی ثابت ہوا کہ مسیحؑ آدمؑ کا اسبات میں بھی مثیل ہے کہ دونوں کی ہجرت گاہ سرزمین ہند بنائی گئی۔ بلکہ حضرت مرزا صاحبؑ جو مسیح محمدی ہیں اور جو آنحضرتؐ کے کامل بروز اور کامل مظہر ہونیکی وجہ سے آنحضرتؐ کے ہی قائمقام ہیں۔ آپ کا بھی سرزمین ہند ہی میں ظہور فرما ہونا مناسب تھا کیا بوجہ اس مرتبہ مماثلت کے جو آپ کو آدم اور مسیحؑ سے ہے اور کیا بوجہ اسکے کہ آنحضرتؐ بمماثلت آدم سرزمین ہند میں ہجرت فرما ہوئے ذریعے قائمقام اور آپ کی نیابت میں ہو کر دونوں طرح کی مماثلت کے

مصداق بنے۔ وللہ در من قال ؎

کانت لآدم ارض الھند منھبطا ✿ وفیہ نور رسول اللہ مشعولٗ
من ھھنا ثابتٌ ان مھدینا ✿ مھند من سیوف اللہ مسلولٗ

یعنے آدم کیلئے سرزمین ہند ہبوط گاہ تھی۔ اور آدم میں رسول اللہ یعنے آنحضرتؐ کا ہی نور شعلہ زن تہا۔ جس سے ثابت ہے کہ حضرت مہدی (جو لامھدی الا عیسٰی کی حدیث کے مصداق ہونے سے عیسےٰ ہی ہیں) وہ ہی خدا تعالیٰ کی تلواروں سے برہنہ تلوار ہونگے۔ اور مھند ہونیسے ہندی تلوار۔

اور مولویصاحب کا آیت موصوفہ کی تفسیر میں یہ کہنا کہ حضرت ابن مریمؑ اور مریمؑ دونوں کو ایک نشان بنانا باعتبار عیسے علیہ السلام کے بے باپ ہونیکے ہے۔ اسپر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہم مانتے ہیں کہ بیشک حضرت مسیح علیہ السلام حضرت مریم بتول کے بطن سے بلا باپ ہی تولد ہوئے۔ اور نہ ہی ہمیں ان دونوں ماں بیٹے کے ایک نشان قرار دیئے جانے پر کوئی کلام ہے۔ لیکن اس آیت میں دونوں کو آیت یعنے نشان قرار دیکر اسکے بعد دونوں کی نسبت اوینا ھما کا ارشاد فرمانا سیاق کلام کے لحاظ سے آیت کی تبیین کے معنوں میں ہے۔ یعنے یہ کہ دونوں کو نشان بنانا اسجگہ اوی کے لحاظ سے ہے نہ بے باپ ہونے کے لحاظ سے۔ اسلئے کہ جہاں حضرت مسیح کو بے باپ ہونیکے اعتبار سے نشان قرار دیا ہے وہاں مسیحؑ کی پیدایش کا ذکر ہے اور اسجگہ دونوں کو نشان بنانا بلحاظ اوینا ھما کے ارشاد کے ہے۔ چونکہ حضرت مریمؑ کے متعلق یہود کیطرف سے وعلی مریم بھتانا عظیما۔ کے ارشاد کے رو سے اور ایسا ہی مریمؑ کو لقد جئت شیئاً فریا یا اخت ھارون ماکان ابوک امرء سوء وما کانت امک بغیا ۔ کے ارشاد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسقدر حضرت مریم یہود مغضوب کی نظر میں معیوب اور مبغوض تہیں اور ایسا ہی حضرت مسیح علاوہ اس پر ندرت ولادت کے دعوٰے نبوت و رسالت کیوجہ سے یہانتک ایذا دیئے گئے کہ آخر اسی سلسلہ میں آپکو صلیب

کا حادثہ پیش آیا۔

اب ایسے حالات کے پیش آتے ہوئے حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ دونوں کو ارض شام کے یہودیوں کے پنجۂ شرارت سے سلامتی کے ساتھ چھڑا لانا اور کشمیر جنت نظیر جیسی خوش منظر اور بدل ارض شام میں پناہ کے لئے جگہ دینا یہ ایک ایسا نشان تھا کہ جسکے اثر میں دونوں ماں بیٹا برابر کے شریک ہیں۔ کیونکہ آوینا ہما کے ارشاد میں آوی کے ماتحت دونوں کو رکھا ہے۔ اور آوی کے اثر میں دونو کو برابر کا شریک کیا ہے۔ اور جسطرح ولادت کے نشان میں دونوں ماں بیٹا شریک ہیں ویسے ہی آوی کے نشان میں دونوں کو جمع کیا ہے۔ اور جسطرح بلحاظ ولادت دونوں کو ایک نشان قرار دیا ویسے ہی آوی کے لحاظ سے دونوں کو ہی ایک نشان بنایا۔

اور شام سے کشمیر کیطرف آتے ہوئے درمیان کے سفر میں نصیبین سے ورے کی طرف راستہ میں عیسےٰ خیل اور کوہ مری جو دراصل کوہ مریم ہے ایسے نشانوں کا پایا جانا ضرور اسطرف توجہ دلاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کو ضرور ان مقامات سے کوئی تعلق اور کوئی نسبت ہے۔

پھر علاوہ اسکے آیت موصوفہ میں بلحاظ اسکے کہ یہ قرآن کریم کی آیت ہے اور آنحضرتؐ کے واسطہ سے اس آیت کے ذریعہ ایک بات کا علم دیا گیا ہے ایک حقیقت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جسے بلحاظ اعجاز غیب کے پیشگوئی قرار دینا نامناسب نہ ہوگا۔ اور وہ اسطرح کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے کئی امور بطور ندرت پائے جاتے ہیں۔ جیسے کہ آپ کی ولادت بطور ندرت ہے جسمیں آپ کے لئے والد کا فقدان پایا جاتا ہے۔ پھر آپ کی کتاب انجیل کا فقدان کیونکہ دُنیا میں مسیحؑ کی انجیل مفقود ہے۔ اور جو ہے وہ یا تو متی کی انجیل کہلاتی ہے یا مرقس کی یا لوقا کی یا یوحنا کی۔ اور ایسی انجیل جو خدا کا کلام تھا اور مسیحؑ پر بطور وحی نازل ہوا وہ دنیا میں مفقود نظر آتی ہے۔ ایسا ہی مسیحؑ کی بعض

اسرائیلی گم شدہ اور منتشر شدہ بھیڑیں ان کا فقدان۔ ایسا ہی مسیح کا واقعہ صلیب کے بعد فقدان ایسا ہی مسیح کی تینتیس ۳۳ سال کی عمر کے بعد ایک سو بیس سال تک کی عمر کے لحاظ سے ۸۷ سال کی عمر کے حالات زندگی کا فقدان افغانستان اور کشمیر میں باوجودیکہ حضرت مسیح حسب ارشاد وجیہا فی الدنیا والآخرۃ دونوں جگہوں کے باشندگان کے ایمان لانے اور قبول کرنیکے وجیہ ثابت ہوئے پھر ان ہر دو خطوں سے ایمان لانیوالی قوموں کا فقدان۔ بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کا فقدان۔ لیکن چونکہ قرآن کریم کی پیشگوئی جو اذا زلزلت الارض زلزالھا واخرجت الارض اثقالھا فقال الانسان مالھا یومئذ تحدث اخبارھا بان ربك اوحی لھا کی عبارت سے ظاہر ہے۔ اسمیں بتایا گیا کہ مستقبل زمانہ میں کسی وقت نئے نئے علوم نئے نئے حالات اور واقعات کا انکشاف ہوگا۔

۔۔۔۔۔۔ جیسے کہ قرآن کریم میں ایک طرف فرعون کی نسبت الیوم ننجیك ببدنك لتکون لمن خلفك آیۃ فرمایا گیا۔

اور اس وحی کے ذریعہ آنحضرت کو ایک واقعہ کی خبر دیگئی کہ فرعون کا بدن محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور وہ اسلئے کہ تا فرعون کے لاشہ کی حفاظت اسکے بعد کے لوگوں کے لئے ایک عبرتناک نشان کیصورت میں ظاہر ہو۔ اب اس وحی الٰہی کے مطابق اس آخری زمانہ میں جو حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت اور ظہور کا زمانہ ہے اسبات کی تصدیق ہوگئی اور مصر میں علم طبقات الارض کے ماہروں نے زمین کے آثار قدیمہ اور پرانے کھنڈرات کی بنیادوں کو اکھاڑ کر پتا لگانا چاہا کہ انمیں سے کتبوں اور دوسری مدفون چیزوں سے جو بطور خزائن و دفائن پائی جاتی ہیں کچھ عجائبات حاصل کریں۔ سو ایسے لوگوں کو کوشش کرنیسے علاوہ اور عجائبات کے فرعون کی نعش ملی جو کسی عجیب طرح کے مصالح سے محفوظ کی گئی۔ اور جو برآمد ہونیکے وقت ایسی ہی معلوم ہوتی تھی کہ گویا تازی نعش ہے۔ اور جسکے ساتھ کتبہ لکھی تھا جسپر لکھا ہوا تھا کہ یہ فرعون کی لاش ہے۔ جو موسےٰ علیہ السلام کے وقت تھا۔ اب اس نعش

کو دار السلطنت مصر کے عجائب خانہ میں بطور عجائبات کے رکھا گیا ہے۔ اور اسطرح سے اذا بعثر ما فی القبور و حصل ما فی الصدور کا نشان ظہور میں آیا جسکی مدتوں پہلے قرآن میں خبر دیگئی۔

اسی طرح اس زمانہ میں جو حضرت مسیح محمدی کے ظہور اور بعثت کا زمانہ ہے اسمیں عجائب در عجائب واقعات اور حقایق کا انکشاف ہوا ہے۔ جنمیں سے مسیح علیہ السلام کا بجائے آسمان پر جانیکے بے حقیقت افسانہ کے ارض شام سے سرزمین کشمیر میں آنا اور وہاں فوت ہونا اور دفن ہونا اور سری نگر کشمیر کے محلہ خانیار میں آپ کی قبر کا ظاہر ہونا جو عجائبات جدیدہ میں سے ایک خاص اور اعجب العجائب واقعہ ہے۔ جس سے علاوہ اسکے کہ علمی تحقیقات میں اس سے ایک قابل قدر اضافہ پایا جاوے کسر صلیب کے اہم مقصد کے حصول کیلئے ایک خاص الخاص حربہ اور اسلامی فتوحات جدیدہ سے ایک بہت ہی بڑی شاندار فتح کے میسر آنے کے لئے خدا تعالیٰ کے معجزانہ غیبی تصرف کے ماتحت ایک عجیب ذریعہ پیدا ہوا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔ واللہ الحمد:۔

اور اسی کے مطابق آیت واوینا ھما الیٰ ربوۃ ذات قرار و معین میں جس واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ دونوں کے لئے جس خطہ کو ربوۃ اور ذات قرار و معین کی صفت سے متصف قرار دیکر آج تک اسکی حقیقت پر پردہ ڈالا ہوا تھا۔ آج اس زمانہ میں اوسکا بھی انکشاف فرمادیا۔ کہ وہ خطہ خطہ کشمیر ہے۔ اور بس۔

اور مولوی ابراہیم صاحب کا آیت موصوفہ کے الفاظ اوی۔ ربوۃ ذات قرار و معین سے ارض شام کا مقام مقدس یعنی بیت المقدس مراد لینا بظاہر تو واقعات اور حالات کے خلاف ہے۔ ہاں اُسکا سکھا شاہی تحکم سے بیت المقدس پر چسپاں کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے مولویصاحب موصوف اپنے زور تحکم سے ما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ سے مسیحؑ کو آسمان پر چڑھایا کرتے ہیں۔ اور فقرہ ما قتلوہ وما

صلبوہ ولکن شبہ لھم سے شُبّہ کے لفظ سے ایک شبیہ بنا کر مسیحؑ کی جگہ صلیب پر دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ ما قتلوہ اور ما صلبوہ ولکن شبہ کے بعد ما قتلوہ یقیناً کے فقرہ کو ذکر کرنا اور ما صلبوہ کے ذکر کو ترک کرنا صاف اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ مسیحؑ صلیب پر چڑھا ہے مرا نہیں کیونکہ شُبّہ کے لفظ سے صلیب پر چڑھنا ثابت ہوتا ہے لیکن ما قتلوہ یقیناً کے قرینہ سے صلیب پر مرنا ثابت نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ شُبّہ کے لفظ سے مسیحؑ کے صلیب پر چڑھائے جانیسے مسیحؑ کو مشابہ بالمصلوب قرار دیا گیا۔ لیکن قتل کی یقینی نفی سے اس وہم کو دور کر دیا گیا جو مسیحؑ کے مشابہ بالمصلوب ہونیکی اسحالت کے متعلق پیدا ہو سکتا تھا۔ جو بہ جہ غشی و بیہوشی بباعث تکلیف و صدمہ صلیب آپ پر طاری ہوئی۔ اور شبہ لھم کے حرف لام اور ضمیر جمع غائب سے جو مجرور ہے اسبات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہود اپنے قول انّا قتلنا میں دو طرح سے جھوٹے ہیں ایک اسطرح سے کہ مسیحؑ قتل نہیں کیا گیا تھا۔ جیسے کہ ما قتلوہ یقیناً سے ظاہر ہے۔ دوسرے اسطرح کہ صلیب پر چڑھائے جانے کی کارروائی بھی اُنکے ہاتھ سے نہ تھی بلکہ پلاطوس حاکم کی طرف سے اونکی خاطر تھی اور وہ بھی مصلوب کی صورت میں نہیں بلکہ مشابہ بالمصلوب کی صورت میں۔ پس لھم کے جار مجرور سے ظاہر ہے کہ جو کچھہ کارروائی ہوئی اُن سے نہیں بلکہ انکے لئے اور اونکی خاطر تھی جس سے اونکا دعویٰ متکبرانہ جو انّا قتلنا کے تاکیدی فقرہ سے بیان کیا گیا باطل ہوتا ہے۔ دوسرے شُبّہ لھم سے حضرت یونسؑ والی مماثلت کیطرف بھی لطیف طور پر اشارہ پایا جاتا ہے۔ کہ مسیح مشابہ بالمصلوب ہونے سے ان یہود کے لئے مُشبّہ بنایا گیا۔ جیسا کہ مسیحؑ کیطرف سے اُنہیں اس واقعہ صلیب کے پیش آنیسے پہلے اطلاع دیگئی کہ یہ لوگ نشان مانگتے ہیں لیکن انہیں بجز یونسؑ نبی کے نشان کے اور کوئی نشان نہیں دکھایا جائیگا۔ سو قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کی یہ بھی عادت ہے کہ عام معلوم واقعات کیطرف کبھی وہ لطیف طور پر اشارہ

ہی کر دیتا ہے۔ خواہ اثبات کے رنگ میں۔ خواہ نفی کے معنوں میں۔ جیسا کہ بائبل میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ لوط کو شراب پلا کر ہمبستری کی اور پھر دونوں کے ہاں اپنے باپ سے اولاد پیدا ہوئی۔ جنکی نسل سے حضرت مسیح جیسے بزرگ بھی پیدا ہوئے۔ لیکن چونکہ یہ واقعہ سراسر بہتان اور ایک پاک نبی کی شان تقدس وتطہر کے خلاف تھا۔ اور ایسا ہی حضرت لوط کی بیٹیوں پر یہی اتہام محض تھا۔ اسلئے قرآن کریم میں بطور ذب اور دفاع کے ھن اطہر لکم کے فقرہ سے حضرت لوط کی بیٹیوں کی تطہیر اور بریّت ظاہر کر دی کہ وہ تو بے شر ضیف کی نسبت بھی زیادہ بے عیب اور پاک ہیں۔ اور حضرت لوط کی لڑکیوں کی تطہیر کے ضمن میں حضرت لوط کی تطہیر بھی کر دی۔

اب میں پھر اصل مطلب کیطرف عود کرتا ہوا عرض کرتا ہوں کہ حضرت مسیح اور حضرت مریم دونوں کو بلحاظ اوی نشان بنایا گیا۔ اس صورت میں بھی کہ مسیح بمع والدہ یہود کو پنجہ شرارت سے ہجرت کرنے کے ساتھ سلامت نکل آیا اور خدا کے فضل سے کشمیر جیسی سرزمین میں اوسے پناہ ملگئی۔ اور اس صورت میں بھی کہ ایک لمبی مدّت کے بعد جو ہزار ہا سال کی مدّت ہے مسیح کے بعد واقعہ صلیب کے حالات جو ہجرت اور اوی کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور آجتک مخفی چلے آتے تھے خدا نے مسیح محمدی کے زمانہ کی برکت سے اور پھر آپ کی مساعی جمیلہ سے ان مخفی حالات اور واقعات کا انکشاف فرمانے سے بلحاظ ان جدید انکشافات کے اس زمانہ میں آیت موصوفہ کے روسے حضرت مسیح اور آپ کی والدہ ماجدہ کو واقعی ایک نشان اور بہت بڑا نشان ثابت کیا۔ اور جو حقیقت آیت موصوفہ میں بطور پیشگوئی مخفی تھی آج واقعات منکشفہ کے روسے اسکا پورا ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ والحمد للہ علےٰ ذالک ۔

اور آیت وجعلنا ھا وابنھا اٰیۃ للعالمین میں بھی دونوں ماں بیٹے کو دنیا کی ساری قوموں کیلئے نشان قرار دینا علاوہ نشان ولادت کے اسی صورت میں کیونکہ عالمین کا لفظ بلحاظ نشان ولادت تو صرف اسرائیلی قوموں کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔ لیکن آج اس دوسری صورت میں جو ذکر کی گئی حضرت مسیح اور والدہ کا نشان

دُنیا کی ساری قوموں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ نہ بلحاظ مذہب بلکہ بلحاظ علمی تحقیق اور جدید انکشاف حقیقت کے۔ اور اگر اسے آنحضرتؐ کی وحی قرار دینے سے آنیوالے مسیح موعُود کے متعلق بطور ایک پیشگوئی سمجھا جائے تو اس آیت کا بطن ثانی اپنی ایک گہری حقیقت کے لحاظ سے حضرت مرزا صاحبؑ کے مسیح موعُود کے دعویٰ کی تصدیق میں پایا جاتا ہے۔ اور وہ اسطرح کہ سورۂ تحریم میں اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کے بعض افراد کو مثیل مریم قرار دیا ہے۔ اور پھر مریم سے بذریعہ ایک نفخ کے مسیح کو پیدا کیا۔ جس سے ظاہر ہے کہ آنیوالا مسیح موعُود جو حدیث وامامکم منکم کا مصداق ہونے سے امتِ محمدیہ کے افراد سے ایک فرد ہوگا۔ سورۂ تحریم کی مریمی مماثلت سے پہلے مریمی صفت سے متصف کیا جائیگا۔ پھر بعد میں اپنی مریمی حالت میں ترقی کے ساتھ خدا کے نفخہ ثانیہ سے ابن مریم کی شان اور حالت میں منتقل کیا جائیگا۔ اور اسطرح سے مریم سے ابن مریم ہو کر دنیا کی ساری قوموں کیلئے بصورت نشان ظاہر ہوگا۔ اسی حقیقت کے لحاظ سے حدیثوں میں آنیوالے مسیح موعُود کو ابن مریم کہا گیا جسکی دوسری معنوی کیفیت یہ ہے۔ کہ آنیوالا مسیح موعُود مریم ہونیسے اُمتی ہوگا۔ اور ابن مریم ہونیسے نبی۔ جیساکہ امامکم منکم کا فقرہ اسی حقیقت پر دال ہے اور امام سے مُراد نبی اور منکم سے مُراد اُمتی ظاہر کیا گیا۔

پس وجعلنا ھا وابنھا اٰیۃ لعالمین کا ارشاد اپنی حقیت کے ساتھ حضرت مرزا صاحبؑ جو مسیح محمدی اور مسیح موعُود ہیں۔ انکی صداقت اور اونکے ظہور کے لئے ایک زبردست پیشگوئی کا رنگ اپنے اندر رکھتا ہے۔ فبشریٰ للطالبین وطوبیٰ للمؤمنین۔

اور مولویصاحب کی پیشکردہ آیت ولنجعلہ اٰیۃ للناس اور آیت وجعلناہ مثلا لبنی اسرائیل سے بھی علاوہ نشانِ ولادت اور نمونۂ ہدایت بلحاظ وحی آنحضرتؐ وبطن معنیٔ آیت حضرت مسیح موعُود جناب مرزا صاحبؑ مُراد ہیں۔ توضیح کے لئے تشریح سابق ہی کافی ہے ۔۔

نیز اسکی تائید آیت واذکر فی الکتاب مریم اذا انتبذت من اھلہا مکاناً شرقیاً سے بھی ہوتی ہے۔ اسطرح کہ اس آیت میں توجہ دلا کر فرمایا ہے۔ کہ اس کتاب میں مریمؑ کا بھی ذکر کر جب وہ اپنے اہل سے مکان شرقی میں جا پڑی یہ آیت عجیب طرح کی بلاغت اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور علاوہ مشہور اور عام مطلب کے اسمیں مسیح محمدی یعنے حضرت مرزا صاحبؑ کی مریمی حالت اور حضرت مریمؑ کے اپنے مثیل میں ظاہر ہونیکی طرف لطیف طور پر عجیب طرح سے اشارہ پایا جاتا ہے۔ اسطرح کہ حضرت مرزا صاحبؑ چونکہ اُمت محمدیہ کے افراد سے کامل مومن اور کامل فرد ہونیسے مثیل مریمؑ بھی تھے اور آپؑ کا ظہور مُلک ہندوستان میں ہوا جو ممالک مشرقیہ سے ہے اور جسکی طرف آیت میں سے مکاناً شرقیا کا فقرہ اشارہ کر رہا ہے۔ پھر چونکہ حضرت مریمؑ کے اپنے اہل تو بنی اسرائیل کی قوم کے لوگ تھے۔ اور امّت محمدیہ میں سے ایسے فرد میں بطور مماثلت و شان بروزیّت و مظہریّت ظاہر ہونا جو مشرق کی سرزمین میں ظاہر ہونیوالا تھا اسطرح سے گویا اپنے اہل سے مکان شرقی میں دور جا پڑیں۔ جسمیں لطیف طور پر ایک پیشگوئی کیطرف اشارہ ہے۔ کہ امّت اسرائیلیہ جو حضرت مریمؑ کے اہل سے ہے اس سے نہیں بلکہ امّت محمدیہ سے ایک فرد مثیل مریمؑ مشرق میں ظاہر ہوگا۔ اور یہ پیشگوئی آج حضرت مرزا صاحبؑ کے وجود اور ظہور سے پُوری ہوئی۔

علاوہ اسکے بلحاظ معنے بطن ثانی حضرت مریمؑ کی ہجرت کیطرف بھی اشارہ ہے کہ حضرت مریمؑ مشرق کی سرزمین میں اپنے اہل سے دور جا پڑیں۔ جیسے کہ کشمیر میں آنے کے متعلق حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کے متعلق اوپر بتفصیل ذکر ہو چکا۔ جسکی تائید فحملتہ فانتبذت بہ مکاناً قصیّا کے فقرہ کے ایک پہلو سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اور مکان قصیّ کا فقرہ جسکے معنے دُور مکان کے ہیں حقیقت الامر کے انکشاف کیلئے بخوبی روشنی ڈالتا ہے۔

اور مولوی صاحب کا ربوۃ اور ذات قرار و معین سے مُراد آیت

قد جعل ربک تحتک سریا والی نہر لینا گو بظاہر مغالطہ میں ڈالتا ہے۔ اور سرسری نظر سے مولویصاحب کی تفسیر دانی بلحاظ تفسیر القرآن بالقرآن عجیب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ذرا غور کرنیسے یہ تفسیر الیسی ہی ثابت ہوگی جیسا کہ کہتے ہیں کہ ایک تفسیر دانی کا مدعی جو تفسیر القرآن بالقرآن کی مہارت کا دعوی بھی رکھتا تھا اس سے کسی مستفسر نے استفسار کیا کہ حضرت آیت الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا فاذا انتم منہ توقدون۔ (سورہ یٰس) میں الشجر سے مُراد کونسا شجر ہے فرمانے لگے بندہ تو اوسکا جواب قرآن سے ہی پیش کرے گا۔ اسلئے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کرنا قرآن دانی کا اعلیٰ کمال ہے۔ سو شجر کی تفسیر میں قرآن سے ہی دکھاؤں گا۔ سو اس شجر کی تفسیر کیلیئے سورہ والصافات کی آیت ذیل کو ملاحظہ کیجیئے۔ اذالک خیر نزلا ام شجرۃ الزقوم انا جعلناھا فتنۃً للظالمین انھا شجرۃ تخرج فی اصل الجحیم۔ اسکی تائید کے لیئے مزید ضرورت ہو تو سورہ دخان کی آیت ذیل کو ملاحظہ کیا جائے ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم۔ علاوہ اسکے سورہ واقعہ کی آیت ذیل سے تو شجر کی تفسیر اپنے کمال کو ہی پہنچ جاتی ہے۔ دیکھو آیت لاکلون من شجر من زقوم۔ شجر کے بعد من کا حرف بغرض تبیین ہے یعنے یہ کہ وہ سورہ یٰس والا شجر زقوم ہے۔ سائل نے سوال کیا کہ حضرت! سورہ یٰس والا شجر کہ جسکی نسبت فرمایا گیا ہے کہ اس سے دُنیا کے لوگ آگ نکالکر روشن کرتے ہیں یہ اور ہے اور زقوم کا درخت الگ معلوم ہوتا ہے کیونکہ دُنیا کی زندگی میں جن درختوں سے آگ نکالی جاتی ہے وہ بانس اور شجرۃ القطن وغیرہ ہے لیکن زقوم نہیں۔ اور جہاں زقوم کا ذکر ہے وہ عالم آخرت کی جہنمی زندگی کے متعلق ہے نہ دنیا کی زندگی کے متعلق۔ یہ سُنکر جوش میں آکر فرمانے لگے کہ میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تمہارے جیسے مکذب کے سامنے اس تفسیر القرآن بالقرآن کی کیا قدر۔ بس جو شخص تفسیر القرآن بالقرآن کو بھی نہ مانے بھلا اُس کا کیا علاج اور اوسے کون سمجھا سکے ؛۔

اسی طرح مولوی ابراہیم صاحب کی تفسیر کا نمونہ ہے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ ربوہ اور معین الگ چیز ہے جسکا محل ہی علیحدہ ہے۔ اور آیت جعل ربك تحتك سريًا والا سری جس سے مراد نہر خورد ہے وہ اور چیز ہے اور اوسکا محل بھی جدا۔ کیونکہ سریّ کا جہاں ذکر ہے وہ تو ایک سلسلہ واز تذکرہ کے لحاظ سے ولادت مسیح کے متعلق ہے۔ اور جہاں ربوہ اور معین کا ذکر ہے وہاں اوینا ھما کے قرینہ سے کوئی ایسی سرزمین اور ایسا مقام ثابت ہوتا ہے جو حضرت مسیح اور والدہ مسیح کے لئے کسی سخت حادثہ اور سخت تکلیف کے بعد بصورت ہجرت ذات قرار اور ملجاؤ ماوے بنایا گیا۔

اور ربوۃ کو نکرہ بیان کرکے اوسے ذات قرار و معین کی صفت سے متصف بیان کرنا علاوہ علم عنوان دینے کے اوسکی عظمت کے اظہار سے اوسکی خصوصیت کا ذکر کرنا بھی مقصود تھا تا معلوم ہو کہ ربوۃ جو لغت کے رو سے کل ما ارتفع منه الارض کے معنوں میں پایا جاتا ہے اپنی عظمت کے لحاظ سے ایک خاص جگہ اور خاص سرزمین ہے جسمیں ایسی بلندی کا پایا جانا جو ایک خاص عظمت اور رفعت پر دلالت کرتی ہے اسکے ممتاز کرنیکے لئے ایک خاص علامت ہے جسکے ساتھ صفت ذات قرار و معین بھی اسکی شناخت کیلئے علامات سے قرار دیگئی۔ اب ہم جب غور کرتے ہیں تو بجز کشمیر کے یہ خصوصیت کسی اور سرزمین کو حاصل ہوتی معلوم نہیں ہوتی۔ اسلئے کہ گو دنیا میں بہت سی سرزمینیں ایسی ہیں جو بلحاظ اپنے ارتفاع کے خواہ بصورت معمولی ربوۃ کے بلند ہوں خواہ بصورت بہت بلند پہاڑوں کے۔ لیکن کوہ ہمالہ جو دنیا کے سب پہاڑوں سے اونچا اور بلند تر ہے وہ کشمیر کی سرزمین کو ربوۃ ثابت کرنیکے لئے ایک خاص قرینہ ہے۔ دوسرے لفظ قرار کے متعلق مفردات راغب میں یہ لکھا ہے قر فی مكانه ويقر قرارا اذا ثبت ثبوتا جامدًا واصله من القر وهو البرد وهو يقتضى السكون یعنے جب کسی چیز کی نسبت یہ کہا جائے کہ وہ اپنی جگہ ایسی ٹھہر گئی جیسے کوئی جامد چیز

تو اُسکی نسبت بلحاظ ماضی و مضارع قرّ فی مکانہ ویقر قرارًا کہا جائے گا۔ اور قرار کا اصل لغت قرّ سے ہے جسکے معنے برف جمی ہوئی کے ہیں۔ اور سرد چیز کے۔ کیونکہ سردی کا مقتضی سکون ہے۔ اور جمود۔

اور لفظ معین کے معنے ماءٌ جارٍ یعنی آب رواں لکھا ہے اور نیز ایسا پانی یعنی چشمہ سے رواں ہُوا ہو۔ اور جسکا مخرج عین یعنی چشمہ ہو۔

اب ان دو متضادہ صفات کے لحاظ سے ربوۃ کی یہ تعریف ہوئی کہ ایسی مرتفع اور بلند زمین کہ جسکی ایک صفت یہ ہے کہ وہ قرار والی ہے یعنے ایسی سرزمین ہے جسمیں برف پڑتی ہے۔ اور برفانی ملک ہونیکی وجہ سے اسمیں خشکی اور سردی خصوصیت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ ایسی سرزمین ہے جسمیں چشموں کا پانی جاری اور رواں رہتا ہے۔ گویا بتایا کہ اسمیں ایک طرف برف یعنے جما ہُوا پانی ہوتا ہے اور دوسری طرف چشموں کا آب رواں جو جا ہُوا نہیں ہوتا۔ پس کیا اس لحاظ سے اور کیا بلحاظ قرار یعنی جائے سکون اور آرام گاہ ہونیکے اپنے خصائص کے ساتھ سرزمین کشمیر ہی ثابت ہوتی ہے :۔

اور آوی کا لفظ ایسے آرام اور پناہ کی حالت کے متعلق استعمال ہوتا ہے جبکہ پہلے کوئی سخت مصیبت اور حادثہ پیش آئے۔ چنانچہ قرآن کے دوسرے مقامات میں اسکی مثال موجود ہے۔ دیکھو فقرات ذیل الم یجدک یتیماً فآوی آنحضرت کی نسبت فرمایا کہ تجھے یتیمی اور بیکسی کی مصیبت میں پاکر پناہ دی۔ ایسا ہی قال لو انّ لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید کو ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت لوطؑ کے قول میں لفظ آوی کو ایک سخت مصیبت پیش آمدہ کے موقعہ پر استعمال کیا گیا۔

پس بوقت ولادت جس مقام میں حضرت مسیحؑ کا تولد ہُوا وہ بیت لحم تھا اور اگر بیت المقدس سے مکان قصی یعنی دور کا مکان اسی جگہ کو قرار دیا جائے اور اسی کو قرآن شریف کی آیت فحملتہ فانتبذت بہ مکاناً قصیّا کا مصداق سمجھا جائے تو بھی مولویصاحب کا ابن کثیر جلد ۷ کا حوالہ واقعہ۔ الا قوال فی ذلک

ما رواہ العوفی عن ابن عباسؓ فی قولہ واوینا ھما الی ربوۃ ذات قرار ومعین قال المعین الماء الجاری وھو النھر الذی قال اللہ تعالی قد جعل ربک تحتک سریا وکذا قال الضحاک وقتادہ الی ربوۃ ذات قرار ومعین ھو بیت المقدس فھذا واللہ اعلم۔ جو بیت المقدس کے معین کرنے میں بیان کیا ہے واقعات کے خلاف ہونے سے صحیح ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حضرت مسیحؑ کا تولد بیت المقدس میں نہیں ہوا بلکہ بیت اللحم میں ہوا۔ پس حضرت مریمؑ کا قبل تولد مسیحؑ بیت المقدس میں بود و باش رکھنا اسلئے کہ آپ اپنی والدہ کے قول رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا کے مطابق نذر کے طور پر بیت المقدس کی خدمت کیلئے محررہ قرار دیگئی تہیں ضروری تھا۔ اب اسحالت میں بوجہ حمل مسیحؑ آپ کی نسبت فرمایا گیا فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیا۔ اب جس مکان قصی یعنی کسی دور کے مکان میں حضرت مریمؑ کا بحالت حمل چلے جانا تھا بیت المقدس سے ہی تھا۔ اور واقعات تاریخیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تولد گاہ بیت اللحم تھا پس اس صورت میں بھی ربوۃ اور ذات قرار ومعین کی صفت سے متصف مقام مقام تولد مسیحؑ یعنی بیت اللحم ہو سکتا ہے نہ بیت المقدس۔ اور اس صورت میں مولویصاحب کی ساری تفسیر اور ساری تحقیق جو تفاسیر کے حوالے سے بھی بیت المقدس کی تعیین کے متعلق پیش کیگئی تھی وہ سب کی سب غلط اور لغو ثابت ہوئی۔ اور جو الزام آیت موصوفہ کے غلط مصداق اور غلط محل کا حضرت مرزا صاحبؑ کی تحقیق کے متعلق محض تعصب اور عناد سے قایم کیا تہا اسکے نیچے خود ہی آگئے۔ اور جو اہانت کی راہ حضرت ممدوح کے لئے سوچی تہی خود ہی اسمیں مبتلا ہو گئے۔ سچ ہے انی مھین من اراد اھانتک۔

اور مولویصاحب کا حضرت ابن عباسؓ۔ ضحاک۔ قتادہ کے اقوال کی آڑ میں اسبات کو پیش کرنا بھی انہیں اس ارتکاب غلطی کے الزام سے بری نہیں کر سکتا۔ اسلئے کہ ان بزرگوں کے اقوال کے بعد احتیاط کے طور پر واللہ اعلم کا فقرہ لکھا ہے جس سے انہوں نے اصل حقیقت کا علم خدا کے حوالہ کر دیا اور جو کچھ خود سمجھکر ظاہر فرمایا

واللہ اعلم کے فقرہ کے بالمقابل بطور اجتہاد پیش کیا۔ نہ مولویصاحب کی طرح ایک بہت بڑے دعویٰ تحقیق کے ساتھ۔ سو وہ سب صاحبان معذور تھے اور مولویصاحب ملزم اور بہت بڑے ملزم اسلئے کہ حضرت مسیح کا بعد واقعہ صلیب کشمیر کی طرف آنا اور پھر سرینگر کے محلہ خانیار میں مدفون ہونا اور آپ کی قبر کا اب تک وہاں پایا جانا اور ایک زبردست اور صحیح تحقیق کی رو سے ان سب امور کا تصدیق ہونا اور باایں ہمہ پھر اسکے بعد مولویصاحب کا محض تعصب اور عناد کیوجہ سے اپنی ضد پر اڑے رہنا اُنہیں ملزم بناتا ہے اور نہ صرف ملزم بلکہ حضرت مسیح موعود کے انکار اور تکذیب کی وجہ سے مجرم اور مرتکب کفر بھی۔

اور جب مولویصاحب کی تفسیر اور تحقیق کہ جسکے رو سے آپنے ربوۃ اور ذات قرار و معین کے الفاظ کا بیت المقدس کو مصداق ٹھہرایا تھا۔ وہ خلاف واقعہ ہونیسے غلط ثابت ہوئی تو اس صورت میں مولویصاحب نے جن آیات سے بارکنا فیھا اور بارکنا حولہ اور الارض المقدسہ کے الفاظ سے ارض شام یعنے بیت المقدس کی تعریف کو پیش کیا تھا۔ بوجہ مذکورہ بالا غلطی کے وہ بھی آپ کے لئے مفید مطلب نہ ہو سکا۔

اب یہ کہنا کہ حضرت مسیح کی قبر اتنی لمبی مدت کے بعد جو صدیوں کی مدت ہے مرزا صاحب کو ہی معلوم ہوئی کیوں آپ سے پہلے کسی اور نے اس راز کو نہ سمجھا تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے عجائبات ہیں کہ جب تک وہ اپنی حکمت اور مصلحت سے کسی امر کو بطور راز سربستہ کے مستور اور مخفی رکھنا چاہے مخلوق میں سے کوئی نہیں جو اوسکے سمجھانیکے بغیر اُسے سمجھ سکے یا اوسکی اصل حقیقت تک پہنچ سکے۔ جیسا کہ وہ اپنے ارشاد سے خود اس امر کی تصدیق فرماتا ہے لا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء یعنے خدا کے سوا جسقدر لوگ ہیں ان میں یہ ہرگز طاقت نہیں کہ خدا کے علم سے کسی حد تک بھی احاطہ کر سکیں بجز اسکے کہ وہ خود ہی جو چاہے اور جس حد تک چاہے انہیں اس سے آگاہ فرمائے۔ چنانچہ دنیا میں ہزاروں واقعات اور ہزاروں صداقتیں

ایسی ہیں جو حسب ارشاد اذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت گویا موؤدہ اور زندہ درگور ہیں اور باوجود ہست اور موجود ہونیکے پردہ فقدان میں مخفی اور مستور پائی جاتی ہیں۔ بطور مثال کے حضرت موسٰے کا واقعہ پیش کرتا ہوں کہ آپ باوجود شارع نبی اور اولوالعزم رسول اور قوم بنی اسرائیل کا ایک بہت بڑا تاریخی انسان ہونیکے پھر آپ کی نسبت کتاب استثناء کے آخری باب میں یہ لکھا ہے کہ موسٰے خدا کا بندہ موآب کی سرزمین میں مر گیا اور آجتک اوسکی قبر کو کوئی نہیں جانتا۔

کتاب استثناء کی اس عبارت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کتاب جو خود موسٰے علیہ السلام پر بطور وحی نازل ہوئی اسمیں اس عبارت کا پایا جانا بصراحت الحاقی ہونے پر دلالت کرتا ہے جس سے یکتبون بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ کے ارشاد کی بوضاحت تصدیق ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت موسٰے علیہ السلام کی قبر کے متعلق لاعلمی کا پایا جانا یہانتک کہ کتاب استثناء کے الہامی صحیفہ کے ساتھ اوسے ملحق کرکے اسبات کا اعلان کیا گیا کہ موسٰی کی قبر کو آجتک کوئی نہیں جانتا۔ اب بنی اسرائیل کی ہزاروں لاکھوں تعداد کی قوم کے ہوتے ہوئے حضرت موسٰے کی قبر سے بیخبری اور لاعلمی کا پایا جانا تصرفات قدرت کا عجیب نمونہ ہے۔ لیکن حضرت موسٰے کے بعد تقریباً بیسویں صدی میں آنحضرتؐ پیدا ہوتے ہیں جو حضرت موسٰے کلیم اللہ کے مثیل اور آپ کی پیشگوئی کے مصداق بنائے گئے۔ اور جن کے ذریعہ ازمنہ ماضیہ اور مستقبلہ کے عجائب و غرائب اسرار کا انکشاف وقوع میں آیا۔ جن میں سے حضرت موسٰے علیہ السلام کی قبر کے متعلق بھی آپ پر انکشاف ہوا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ... فسئل اللہ عزوجل ان ید نیہ من الارض المقدسۃ رمیۃ بحجر قال رسول اللہ صلعم فلو کنت ثم لاریتکم قبرہ الیٰ جانب الطریق تحت الکثیب الاحمر۔ یعنے موسٰے علیہ السلام نے قریب الموت حالت میں جناب باری کے حضور عرض کیا کہ مولے موت دینے سے پہلے ارض مقدسہ سے بقدر رمی حجر مجھی قریب کر دیا جائے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر میں اسوقت اسجگہ ہوتا تو ضرور تمہیں

موسےٰ کی قبر دکھادیتا وہ راہ سے ایک جانب ایک سُرخ ٹیلے کے پاس ہے یہ حدیث بخاری۔ نسائی وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے۔ اب دیکھیئے کہ موسےٰ کی قبر صدیوں مخفی اور مستور رہی لیکن اسکا راز آنحضرتؐ پر بیسویں صدی میں آکھلا۔ اور پہلے کسی نے اسکا پتا نہ دیا۔ پس جسطرح مثیل موسےٰ پر موسےٰ کی قبر کا علم موسےٰ کے بعد بیسویں صدی میں مدتوں بعد ظاہر ہوا۔ اسی طرح خدا کی حکمت کے ماتحت مثیل عیسےٰ پر عیسےٰ کی قبر کا راز عیسےٰ کے بعد بیسویں صدی میں مدتوں بعد منکشف ہوا۔ اور جس طرح موسےٰ کی قبر کثیب احمر یعنے ایک سُرخ ٹیلے کے پاس معلوم ہوئی۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ کی قبر بھی ربوۃ یعنے ایک ٹیلے کے پاس ہی ظاہر ہوئی۔

پس اگر مولویصاحب کو حضرت عیسےٰ کی قبر کا علم صدیوں بعد ہونیسے تعجب ہو تو یہ تعجب اس سے زیادہ نہیں جو موسےٰ کی قبر کے صدیوں بعد ظاہر ہونے کے متعلق ہوسکتا ہے۔

فهذا عجيب من عجائب ربنا — له الحمد حقا في عجائب ما بدا
فوالله قد مات المسيح ابن مريم — ومن قال حيٌّ ليس فيه من الهدى
وقبر المسيح بارض كشمير ثابت — ومن كان بعد القبر يأبى فما اهتدى
تحقق ما قال المسيح المحمدی — فمن كذب بالحق المبين فقد ردى
واخر دعوانا ان الحمد كله — لمبدی العجائب فی الزمان واحدا

راقم خاکسار ابوالبرکات غلام رسول راجیکے نزیل
دارالامان قادیان مقدس ۱۱ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء

رسالہ احمدی کے چند لاجواب نمبر

مماثلت یہود و نصاریٰ - غیر احمدیوں کے حق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی چال چلیں گے۔ اس نمبر میں ثابت کیا گیا ہے کہ غیر احمدی اس پیشگوئی کے حقیقی مصداق ہیں۔ قیمت صرف ۲ر

چودھویں صدی کا یہودی - مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اخبار اہلحدیث میں لکھا تھا کہ ہمارا اور احمدیوں کا وہی فرق ہے جو ایک یہودی یا عیسائی کا مسلمانوں سے فرق ہے اس نمبر میں امرتسری کی اپنی زبان سے اوسکا یہودی ہونا اور حضرت مرزا صاحبؑ کا مسیح موعود ہونا ثناء اللہ کی مسلّمہ دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ قابل دید ہے اسمیں دو لاجواب نظمیں بھی ثناء اللہ کی شان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۵ر

ثنائی فرار اور مباہلہ سے انکار - مولوی ثناء اللہ امرتسری کا حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے مقابلہ سے بار بار فرار اور مباہلہ سے انکار کرنا اوسکی دستخطوں سے ثابت کیا گیا ہے یہ لاجواب نمبر ہے۔ قیمت صرف ۷ر

فیصلہ الٰہی اور ثنائی روسیاہی - مولوی ثناء اللہ امرتسری کے مقابلہ میں وہ مباہلہ کا اشتہار جو فیصلہ آخری کے نام سے مشہور ہے اس نمبر میں درج کر کے امرتسری کی روسیاہی کی گئی ہے اور ناقابل تردید دلائل سے امرتسری کا زندہ رہنا اوسکی تکذیب پر زبردست گواہ بنایا گیا ہے ممکن نہیں کہ امرتسری اسکی تردید کر سکے۔ قیمت ۷ر

ثنائی ہرزہ درائی - امرتسری نے جسقدر گالیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپکے خدام ذوالاحترام اور بزرگان سلسلہ کو اپنے اخباروں رسالوں اشتہاروں میں دی ہیں اونکا یہ مجموعہ ہے جسکے ساتھ ایک قابل یادگار نظم لکھی گئی ہے۔ اور تمام گالیوں کی ردیف وار فہرست بنادی ہے۔ قیمت صرف ۵ر

صادق کلمات بجواب ثنائی ہفوات - امرتسری نے ایک رسالہ ہفوات مرزا لکھا تھا اوسکا یہ جواب ہے گویہ ترکی بہ ترکی دندان شکن نہایت مدلل اور مفصل ہے۔ قیمت ۸ر

آئینہ حق نما - امرتسری کا مایہ ناز رسالہ "الہامات مرزا" کا زبردست اور مفصل

جواب ہے۔ جسمیں امرتسری کی باقاعدہ خدمت کی گئی ہے۔ قیمت ۴؍

ثنائی چکر مولوی ثناءاللہ نے آخری فیصلہ والے اشتہار کے متعلق جو چکر کہائے ہیں اونکا اسمیں ذکر کیا گیا ہے جو اسم بامسمیٰ رسالہ ہے۔ قیمت ۲؍

مرقع ثنائی امرتسری نے ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء کے اہلحدیث میں حضرت مسیح موعود کے آخری فیصلہ والے اشتہار کو درج کر کے اوسکا جواب لکھا تہا جسمیں مقابلہ سے انکار کر کے معارضہ کیا تہا کہ جہوٹا مُہلت پاتا ہے۔ بدکار کو لمبی عمر ملتی ہے اور سچا فوت ہو جاتا ہے۔ اب وہ اس پرچہ کو چہپاتا ہے۔ کسی کو دکہاتا نہیں۔ اسلئے اوس پرچہ کی حرف بحرف سطر بہ سطر نقل کر کے دوبارہ اسکو چہاپا گیا ہے تاکہ اوسکی یہ دستاویز انکاری دُنیا کی ضایع نہ ہو جائے۔ قیمت ۴؍

ثنائی فوٹو بڑی محنت اور سالہا سال کے مباحثات کے بعد امرتسری کا یہ فوٹو اتارا گیا ہے۔ اسمیں آخری فیصلہ والے اشتہار کے متعلق جدید طرز پر بحث ہے اور تمام فرار ثناءاللہ کے اسمیں درج کر دیئے ہیں۔ قیمت ۴؍

خدائی فیصلہ یہ ایک اشتہار ہے جو امرتسری مکذّب کی خاطر و تواضع کے واسطے مستقل طور پر چہاپ دیا ہے کہ جہاں امرتسری جائے وہاں کے احمدی احباب اس اشتہار کو منگا کر فوراً وہاں تقسیم کر دیا کریں۔ ایک سو اشتہار کی قیمت صرف ۱۲؍

بلعم ثانی عبدالحکیم پٹیالوی مرتد کی اون پیشگوئیوں کی حقیقت جو اوس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے متعلق کی تہیں اور جن کی رو سے وہ مفتری اور کذّاب ثابت ہو کر مرگیا۔ قیمت ۴؍

محصولڈاک بذمہ خریدار ہوگا ۔ علاوہ ازیں ردّ آریہ میں لاجواب کتابیں بھی موجود ہیں۔

مینجر فاروق بُک ایجنسی قادیان پنجاب

تبلیغ رسالت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبلیغی کارنامے جو حضور نے مبعوث ہو کر خدا کا پیغام تمام دنیا کو پہنچایا اور جس جس طرح سے مخالفین اندرونی اور بیرونی کو لاجواب و عاجز کر کے سب پر اتمام حجت کر دی۔ اور دین اسلام کو پر زور تحدی کے ساتھ مخالف اسلام دینوں پر غالب کر کے دکھایا۔ ان سب کارناموں کا یہ مجموعہ ہے جو آج تک کتابی صورت میں باترتیب شائع نہیں ہوا تھا۔ یعنے اس مجموعہ میں حضرت اقدس مسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اشتہارات جمع کر دیئے ہیں۔ جو حضور نے مخالفین اسلام و معاندین سلسلہ احمدیہ کے مقابلہ میں بڑے بڑے انعاموں کے ساتھ شائع کئے اور سب عاجز و لاجواب ہو گئے۔

۱۸۷۸ء ابتدائی ایام بعثت سے لیکر ۱۸۹۷ء تک کے کل اشتہارات باترتیب تاریخوار اسوقت تک چھ جلدوں میں شائع ہوئے ہیں۔ قیمت چھ جلدوں کی عہر روپیہ ہے محصولڈاک بذمہ خریدار۔

بہت تھوڑی جلدیں بوجہ گرانی کاغذ و مصارف طبع چھپوائی ہیں۔ شائقین جلد منگا کر فیض حاصل کریں۔

مینجر فاروق بک ایجنسی

فاروق منزل قادیان ضلع گورداسپور

اخبار فاروق

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا یہ ہفتہ وار اخبار ہے جو ہر جمعہ کو دار الامان قادیان ضلع گورداسپور پنجاب سے شائع ہوتا ہے۔ اسمیں مخالفین سلسلہ کے عموماً اور امرتسری ثناء اللہ کے خصوصاً جوابات مدلل دندان شکن دیئے جاتے ہیں۔ سالانہ قیمت صرف للعہ روپیہ معہ محصولڈاک ہے۔ کم استطاعت اصحاب سے تین تین ماہ کا چندہ بحساب ایکروپیہ سہ ماہی قسط وار بھی وصول کیا جاتا ہے تمام احمدی احباب کو اسکی خریداری منظور کرکے اشاعت بڑھانیکی کوشش کرنی چاہیئے۔

سلسلہ احمدیہ کی کتابیں منگانے کا پتہ

ہر ایک کتاب سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بانی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یا خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی یا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی یا دیگر بزرگان سلسلہ کی سب مندرجہ ذیل پتہ سے بذریعہ وی پی طلب کرنے پر منگتی ہیں۔ رد آریہ سماج کی خاص خاص کتابیں قابل دید بھی یہاں سے منگوا سکتے ہیں۔

مینجر فاروق بک ایجینسی فاروق منزل قادیان ضلع گورداسپور پنجاب